مولانا

شوکت تھانوی

MAULANA
BY
SHAUKAT THANAVI

PRICE RS. 125/-
YEAR OF PUBLICATION 2002

پبلشرز
آہلوالیہ بکڈپو
9988 نیو روہتک روڈ، گلی نمبر 6، سرائے روہیلا
پوسٹ بکس نمبر: 2507 نیو دہلی 110005
Ph.Shop:5740142
P.P.: 5757987
Resi. 7342921

(۱)

میں داڑھی نہیں رکھتا۔ سر نہیں گھٹاتا۔ شرعی پاجامہ نہیں پہنتا۔ لمبا کرتا اور چوگوشیہ ٹوپی بھی میرے لباس میں شامل نہیں ہے۔ مگر اس کے باوجود جج صاحب کے یہاں میرا نام “مولانا” پڑ گیا ہے۔ یہ نام دراصل جج صاحب کی صاحبزادی “نزہت” نے مجھ کو عطا فرمایا ہے اور اب سب ہی مجھ کو مولانا کہتے ہیں۔ خود جج صاحب، ان کی اہلیہ محترمہ، ان کے بھتیجے شفقت صاحب، ان کے بھانجے اعجاز صاحب اور حد یہ ہے کہ ان کے نوکر چاکر سب مولانا کہنے لگے ہیں اور میں ان کے گھر میں اچھا خاصہ لطیفہ بن کر رہ گیا ہوں۔ قصور صرف یہ ہوا کہ ان کے گھر آ کر حسب عادت میں نے نماز جو پڑھی تو

سارا گھر میرے گرد اس طرح جمع ہو گیا' گویا میں کوئی کرتب دکھا رہا ہوں۔ سب سے پہلے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے نزہت نے دیکھا۔ اور وہ ایک دم چیخ اٹھی "گڈ لارڈ نمازا" اور پھر اس نے بھاگ بھاگ کر ایک ایک کو بلانا شروع کر دیا۔ "شفقت صاحب! ذرا ان کو دیکھو۔ یہ نماز پڑھتے ہیں"! اور پھر صحن میں جا کر اس نے آواز دی۔ "اعجاز! ادھر آؤ جلدی سے' ارے شہاب صاحب نماز پڑھ رہے ہیں"۔

اس کی اس چیخ و پکار نے سارے گھر کو میرے چاروں طرف جمع کر دیا اور تو اور خود جج صاحب بھی اپنے دانتوں میں پائپ دبائے ہوئے آموجود ہوئے اور نزہت نے ان سے بھی کہا "ڈیڈی دیکھئے تو سہی' یہ تو مولانا نکلے۔ نماز پڑھ رہے ہیں" اور جج صاحب کی بھاری بھرکم بیگم صاحبہ تشریف لائیں تو ان کو بھی یہ تماشا دکھایا گیا ـــــ "ممی جلدی دیکھئے ان کو نہیں تو پڑھ چکیں گے نماز"۔

میں نے سلام پھیرا تو سب ہنس ہنس کر مجھ کو دیکھ رہے تھے۔ جج صاحب نے اپنے مصنوعی دانتوں میں پائپ کو مضبوط پکڑ کر کہا۔ "بھئی! تم تو بڑے اللہ والے نکلے بے بی نے نام اچھا رکھا ہے تمہارا مولانا"۔

بیگم صاحبہ نے ایک جھٹکے کے ساتھ ہنس کر فرمایا۔ "بس مولانا ٹھیک ہے میں بھی مولانا ہی کہوں گی"۔

نزہت نے پوچھا۔ "کیا آپ روز نماز پڑھتے ہیں"؟

عرض کیا۔ "روز ہی نہیں بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ"

شفقت اپنی ٹائی درست کرتے ہوئے بولے۔ "پہلے ارلی ٹی کی نماز۔ پھر لنچ کی۔ پھر آفٹر نون ٹی کی نماز"۔

میں نے گھبرا کر کہا۔ "یہ نام نہ رکھئے نمازوں کے بلکہ جو نام ہیں وہی رہنے دیجئے۔ فجر' ظہر' عصر' مغرب اور عشاء"۔

جج صاحب نے فرمایا۔ "بھئی چائے یہیں منگا لو۔ بیرا سے کہو ٹرالی میں لگا کر چائے اسی طرف لے آئے"۔

اور اس حکم کے تھوڑی ہی دیر بعد چائے کی ٹرالی اسی کمرے میں رینگ آئی۔ جو مجھ کو دیا گیا تھا۔ یہاں اب تک میری نماز ہی موضوع بحث تھی اور طرح طرح سے میری نماز پر تعجب کیا جا رہا تھا۔ صبح جلدی نماز کے لئے کوئی کیسے اٹھ سکتا ہے! یہ نماز پڑھنے والے اگر کہیں لنچ پر جائیں تو کیا کریں گے؟ اور سرکاری دفتروں میں یہ نماز کیسے پڑھتے ہوں گے؟ سب سے زیادہ حیرت تھی عصر اور مغرب کی نمازوں پر کہ یہ وقت تو سیر و تفریح کا ہوتا ہے۔ اس وقت نماز کیسے ہو سکتی ہے؟ نزہت نے تعجب سے پوچھا:

"آپ کبھی پکچر نہیں دیکھتے مولانا؟"

میں نے کہا۔ دیکھتا ہوں، مگر نماز کے وقت بچا کر مثلاً یا تو میٹنی شو دیکھ لیا۔ ورنہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد آخری شو میں چلا گیا۔

جج صاحب نے چائے کی طرف متوجہ کیا۔ "بھئی چائے بھی تو دو

مولانا کو"

اعجاز صاحب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "پہلے پوچھ تو لیجئے۔ ممکن ہے کہ مکروہ ہو"۔

نزہت نے ہنس کر کہا۔ "نہیں خیر چائے تو مکروہ نہ ہوگی۔ مگر یہ بسکٹ البتہ انگریزی چیز ہیں اور یہ کیک تو خالص کافروں کی غذا ہے"۔

شفقت نے کہا۔ وہ کم بخت بغیر وضو کئے یہ چیزیں بناتے ہیں اور جو انڈے اس میں ملائے گئے ہیں۔ وہ بھی شاید ہی ذبح کیے ہوں"۔

جج صاحب نے ہنس کر فرمایا "بڑے شریر ہیں یہ لڑکے۔ بھئی! یہ ان کی خاندانی خصوصیت ہے۔ ان کے باپ کو بھی میں نے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ خود ہمارے گھر میں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک جانماز تھی"۔

بیگم صاحبہ نے کہا۔ خیر اگلے وقتوں کے لوگ تو پڑھا کرتے تھے نماز۔ میں نے خود ابّا جان کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

اعجاز صاحب نے کہا۔ "آنٹی پڑھنے کو تو اب بھی بہت سے پڑھتے ہیں۔ جمعہ کے دن ذرا جا کر دیکھئے کہ مسجدیں بھر جانے کے بعد سڑکوں تک نماز پڑھنے والوں کی لائنیں نظر آتی ہیں۔

جج صاحب نے پائپ میں تازہ تمباکو بھرتے ہوئے فرمایا "مجھے مولانا تمہاری نماز سے زیادہ اس بات پر تعجب ہے کہ تم ایم۔ ایس۔ سی کیسے ہوئے؟"

نزہب نے کہا۔ "کیا واقعی آپ ایم۔ ایس۔ سی ہیں مولانا؟ نظر تو نہیں آتے"۔

میں نے ان کی گفتگو سے پورا لطف لیتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ نظر آنا چاہئے تھا۔ خواہ نہ بھی ہوتا"۔

جج صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھی بات کہی۔ دل سڈ۔ آدمی خوش مذاق ہو۔ میں نے تم کو بہت ہی چھوٹا دیکھا تھا اور اس وقت کی صورت بھی یاد نہیں۔ اس لئے کہ غور سے نہیں دیکھا تھا۔ پھر میں ولایت چلا گیا اور اس کے بعد ملازمت کے چکر میں ادھر اُدھر رہا۔ ویسے رشتہ داری تو بہت ہی قریب کی ہے۔ تمہارے والد میرے چچا کے بیٹے گویا بھائی ہوئے اور اس رشتے سے تم کیا ہوئے؟ بھتیجے ہی تو ہوئے نا"؟

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "توبہ ہے۔ یہ رشتہ داری کے چکر بھی عجیب ہوتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو آئے نہیں کبھی یہ رشتے"۔

جج صاحب نے کہا "نہیں، خیر یہ رشتہ تو اتنا پیچیدہ نہیں ہے۔ البتہ ان کی ماں کی طرف سے جو رشتہ ہے۔ وہ ہے کچھ گڑ بڑ۔ یعنی وہ میرے ماموں کے خالہ زاد بھائی۔ حالانکہ وہ بھی ایک قسم کے ماموں ہی ہوئے۔ بہرحال ان کی بیٹی ہیں تو میں اس رشتے کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مولانا تم سگریٹ پیتے ہو؟"

شفقت نے کہا۔ "لاحول ولا قوۃ۔ بھلا سگریٹ اور حضرت مولانا!

صاحب قبلہ!"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "تم اس بے چارے کے پیچھے ہی پڑ گئے۔ نماز پڑھنا کوئی اتنا بڑا عجیب تو نہیں ہے"۔

نزہت نے کہا۔ ڈیڈی آپ کو یاد ہے کہ وہ خانساماں جو ہر وقت بس نماز ہی پڑھا کرتا تھا اور آپ نے اس کو نکال دیا تھا کہ جا کر کسی مسجد میں نوکری کرلو۔ یہاں تم نماز پڑھنے کے لئے نوکر نہیں ہو۔"

جج صاحب نے کہا۔ وہ اور بات تھی۔ وہ تو دراصل کام چور تھا۔ صبح دیکھئے تو نماز۔ دوپہر کو دیکھئے تو نماز۔ جب اس کو آواز دی جواب ملا کہ نماز پڑھ رہا ہوں۔ پھر گندہ بہت تھا۔ مجھ کو ہمیشہ ڈر رہتا تھا کہ کہیں اس کی داڑھی کا بال کسی کھانے میں نہ آ جائے"۔

بیگم صاحبہ بولیں۔ "اس کے تو ماتھے پر نماز پڑھتے پڑھتے کالا سا نشان بھی پڑ گیا تھا"۔

جج صاحب پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔ "ہاں تو مولانا! پھر کیا ہے تمہارا پروگرام؟ تمہارے والد نے تو یہی لکھا تھا کہ یہاں کسی کالج میں پروفیسری مل رہی ہے تم کو۔ میں اگر کچھ کر سکتا ہوں تو مجھ کو بتانا۔"

عرض کیا۔ "جی نہیں۔ آپ کو زحمت دینے کی غالباً ضرورت نہ ہوگی۔ تمام معاملات طے ہو چکے ہیں۔ کل جا کر کالج کے ذمہ داروں سے مل ملا لوں گا"۔

نزہت نے کہا۔ مگر آپ کالج میں پڑھائیں گے کیا؟ آپ کو تو نمازوں ہی سے فرصت نہ ملے گی۔"

میں نے کہا۔ "جی نہیں۔ نماز کبھی فرائض میں مخل نہیں ہوتی۔ نماز پڑھنے والے اپنے پروگرام اسی حساب سے مرتب کر لیتے ہیں"۔

اعجاز نے کہا۔ مگر مولانا! یہ کیا قیامت ہے کہ آپ نمازی پرہیزگار آدمی اور داڑھی بھی مونڈتے ہیں دنیاداروں کی طرح!

میں نے ذرا کھل کر بات کی۔ "آپ نے میرے متعلق بالکل غلط انداز کیا ہے۔ میں خود نہایت دنیادار قسم کا آدمی ہوں۔ بس نماز کی کچھ عادت سی پڑ گئی ہے۔ اور چونکہ نماز سے مجھ کو ایک قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے کہ اور کچھ نہیں تو کم سے کم یہی ایک فرض ادا ہو رہا ہے۔ لہٰذا اپنے اس سکون کے لئے پڑھتا رہتا ہوں نماز۔ نماز کے علاوہ میں خود ان فرائض سے بیگانہ ہوں جو ایک مسلمان پر مذہباً عائد ہوتے ہیں"۔

جج صاحب نے فرمایا۔ "سب سے بڑا فرض ہے اپنی ایک پوزیشن بنا کر اس پر قائم رہنا۔ یہ سب کچھ دراصل مختلف قسم کی تربیتوں کے نتائج ہوتے ہیں۔ چونکہ تمہارے یہاں نماز کے چرچے تھے۔ لہٰذا تم پڑھنے لگے نماز۔ ورنہ میرے نزدیک سب سے بڑی عبادت یہی ہے کہ انسان برائیوں سے بچتا رہے"۔

نزہت نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "ڈیڈی میرا اور شفقت کا

آج بڑے دعووں کا بیڈمنٹن میچ ہے۔ میں تو چلی۔ اگر آپ کو دیکھنا ہو۔ تو کورٹ پر آ جایئے گا''۔

شفقت بولا۔ ''انکل کن آنکھوں سے دیکھیں گے تمہارا ہارنا؟''

میں نے کہا۔ صاحب یہ میچ تو میں بھی دیکھوں گا۔ نماز پڑھ کر ابھی حاضر ہوا''۔

(۲)

ملازمت تو گویا طے ہی تھی۔ رمی سے انٹرویو کے بعد معاملات طے ہو گئے۔ مگر اب سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ رہنے کو مکان کہاں سے لائیں۔ یہاں ان لوگوں کے پاس مکان نہ تھا جو کئی سال سے مکان کی امید میں ہوٹلوں کو آباد کئے ہوئے تھے۔ خود ہمارے کالج کے کئی پروفیسر ہوٹل میں رہ رہے تھے۔ ایک صاحب زبردستی کسی مکان پر قبضہ جما بیٹھے تھے۔ ان پر مقدمہ چل رہا تھا اور ایسے تو بہت سے تھے۔ جو کالج کا وقت ختم ہوتے ہی محکمہ آبادکاری کے دفتر کی حاضری کو اپنے روزانہ کے پروگرام میں شامل کئے

ہوئے تھے۔ میں نے جب کالج کے ایک آدھ دوست سے مکان کی ضرورت کا اظہار کیا۔ تو خواہ مخواہ اپنی ہنسی اڑوائی کہ ذرا آپ کو دیکھئے۔ بقول شخصے کے آمدی‘ کے پیر شدی۔ ابھی تشریف لائے ہیں اور ابھی سے مکان کے حقدار بھی بن گئے اور صاحب آپ کو بھلا مکان کی کیا ضرورت ہے۔ جج صاحب کی اتنی شاندار کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور یہ کفران نعمت ملاحظہ ہو کہ پھر بھی مکان ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اب کسی کو ہم کیا بتاتے کہ جج صاحب کے یہاں ہماری کیا حیثیت تھی۔ ویسے اس میں شک نہیں کہ جج صاحب کے یہاں مجھ کو ہر طرح کا آرام تھا۔ وہ خود ان کی بیگم صاحبہ! حد یہ ہے کہ نزہت بھی میرے آرام کا پورا خیال رکھتی تھی۔ مگر وہی مثل کہ ایک دن مہمان‘ دوسرے دن بلائے جان‘ تیسرے دن بے ایمان۔ آخر میں نے ایک دن سب کا موڈ نہایت خوشگوار دیکھ کر یہ ذکر چھیڑ دیا۔

چچا میاں‘ ملازمت دلوانے کے سلسلے میں آپ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اس کی تو خیر ضرورت پیش آئی نہیں۔ مگر مکان دلوانے کی تکلیف تو غالباً آپ ہی کو دینا پڑے گی‘‘۔

جج صاحب نے جلے ہوئے پائپ کی راکھ جھاڑ کر تازہ تمبا کو بھرتے ہوئے کہا ‘‘میں بھی تمہارے والد کو یہی مشورہ دینے والا تھا کہ قصباتی جائداد کو بیچ باچ کر شہر میں مکان خریدیں تو گویا تم نے بھی یہی طے کیا ہے‘‘۔

میں نے گھبرا کر کہا۔ ‘‘جی یہ مطلب نہیں میرا۔ مکان خریدنے کا ارادہ

نہیں ہے بلکہ کرایہ کا مکان‘‘۔

بیگم صاحبہ یعنی چچی جان نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ ‘‘کرایہ کا مکان؟ وہ کیا کرو گے؟‘‘

میں نے کہا۔ ‘‘اس میں رہنے کا ارادہ ہے‘‘۔

نزہت نے کہا۔ ‘‘تو کیا مولانا آپ کے ڈیڈی اور آپ کی می بھی یہاں رہنے کے لئے پہنچنے والی ہیں‘‘۔

جج صاحب نے نزہت کو ٹوکا۔ ڈارلنگ‘ ان کے ڈیڈی تمہارے انکل ہوئے نا۔ اور ان کی ممی تمہاری آنٹی ہیں۔ تم کو انکل اور آنٹی کہنا چاہئے نا۔ ہاں تو مولانا‘ کیا واقعی سب یہاں آ رہے ہیں‘‘۔

میں نے کہا۔ ‘‘جی نہیں۔ ان کا تو ارادہ نہیں ہے۔ مگر مجھے بھی تو آخر رہنا ہے‘‘۔

جج صاحب نے بڑی سادگی سے کہا۔ وہ تو غالباً تم رہ رہے ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہاں رہ رہے ہو نا۔‘‘

جج صاحب سے اب ذرا کھل کر بات کرنا ہی پڑی۔ ‘‘جی ہاں! رہ تو رہا ہوں۔ مگر آخر کب تک؟ رہنا تو اب مستقل ہی پڑا اور یہ یقیناً میری زیادتی ہوگی کہ بس یہیں رہ پڑوں‘‘۔

جج صاحب نے پائپ منہ سے نکال کر آنکھیں گول کرتے ہوئے فرمایا:۔

'' نانسنس' یہ کیا بات کہی تم نے؟ مولانا! میں تو حیران ہوں کہ یہ بات تمہارے ذہن میں آئی کیونکر؟

شفقت نے بڑے طنز سے فرمایا۔ '' اللہ والوں کے ذہن میں منجانب اللہ باتیں آیا کرتی ہیں''۔

اعجاز بھی بولے۔ ان خدارسیدہ بزرگوں سے پوچھنا بھی نہیں چاہئے کہ وہ بات کیوں کہہ گئے ''۔

نزہت اب تک حیرت سے میرا منہ دیکھ رہی تھی۔ اب اس نے جج صاحب سے پوچھا۔ '' ڈیڈی آخر مطلب کیا ہے مولانا کا؟ یعنی یہ کرایہ کا مکان لے کر الگ رہنا چاہتے ہیں۔ مگر کیوں۔ ان کو یہاں کیا تکلیف ہے''؟

میں نے جلدی سے کہا۔ '' تکلیف نہیں، بلکہ بخدا بہت آرام ہے، مگر یہ تو کوئی معقول بات نہیں کہ اپنے آرام کی وجہ سے میں آپ لوگوں کو تکلیف دوں''۔

نزہت نے کہا۔ تو آپ ہم کو کیا تکلیف دیتے ہیں؟ آپ نے تو ہم سے کبھی نماز بھی نہیں پڑھوائی''۔

جج صاحب نے قہقہہ لگا کر فرمایا۔ '' کیا بات کہی ہے۔ گڈ! گڈ!!

نزہت نے کہا۔ '' نہیں ڈیڈی میں واقعی مولانا سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ ہم کو کیا تکلیف دے رہے ہیں؟''

اب میں ان کو کیا بتاتا کہ خود میرا دل یہ کیونکر گوارا کرسکتا تھا کہ میں مستقل طور پر نہ صرف ان کے گھر رہوں بلکہ ان کے سر رہوں۔ یہ تو ہونے سے رہا کہ میں ان سے یہ درخواست کرتا کہ چلئے یہی سہی کہ میں یہاں رہوں۔ مگر آپ میرے کھانے پینے کے اخراجات ہی لے لیا کیجئے۔ اور صرف کھانا پینا کیا' یہاں تو میرے کپڑے ان کے حساب میں دھلتے تھے۔ ان کا ایک ملازم مستقل طور پر میرے چارج میں تھا۔ اخبار چونکہ میں بھی پڑھتا ہوں۔ لہٰذا میری وجہ سے صبح ایک کی جگہ دو اخبار۔ لئے جاتے تھے تاکہ ایک جج صاحب کے سرہانے رکھ دیا جائے۔ دوسرا میرے پاس آجائے۔ لاکھ چاہا کہ کالج جانے اور کالج سے آنے کے لئے کوئی تانگہ مقرر کرلوں۔ مگر جج صاحب کی گاڑی گویا میرے لئے مخصوص ہوچکی تھی۔ اور خود ان کے استعمال میں وہ چھوٹی کار تھی جو نزہت کی تھی۔ ایک آدھ مرتبہ عرض بھی کیا کہ اب یہ تکلف چھوڑ دیجئے اور مجھ کو میری اوقات پر رہنے دیجئے۔ مگر ہمیشہ ڈانٹ کھانا پڑی۔ اور اب پوچھا جا رہا تھا کہ ہم کو تمہاری وجہ سے کیا تکلیف ہے؟ آخر میں نے ہمت کر کے عرض کیا:

'' بات یہ ہے کہ جو تکلفات میرے سلسلے میں برتے جا رہے ہیں۔ وہ عارضی طور پر تو خیر مناسب تھے مگر مستقل طور پر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرا تمام بار آپ ہی پر رہے''۔

نزہت نے پھر جج صاحب سے پوچھا۔ '' ڈیڈی کیا مطلب ہوا بار کا؟ یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ کب تک ان کی ذمہ داریاں ہمارے سر رہیں گی؟

جج صاحب نے کہا ’’ان ہی سے پوچھو ڈارلنگ کہ ان کی بکواس کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو نرے مولانا نکلے‘‘۔

میں نے کہا ’’میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میری عادتیں خراب ہو رہی ہیں۔ جو تنخواہ میری مقرر ہوئی ہے۔ اس تنخواہ کا آدمی موٹر نہیں رکھ سکتا۔ پھر مجھ کو کیا حق ہے کہ آپ کی قیمتی کار مستقل طور پر استعمال کرتا رہوں؟‘‘

نزہت نے تعجب سے کہا ’’تو کیا آپ بائیسکل پر جانا چاہتے ہیں کالج۔ یا پیدل جانے کا ارادہ ہے؟‘‘

شفقت نے کہا۔ ’’غالباً اس میں کوئی شرعی خلل واقع ہو رہا ہے‘‘۔

اعجاز نے بھی لقمہ دیا۔ ’’صاحب! یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ موٹر اسلامی سواری نہیں ہے‘‘۔

میں نے کہا ’’میں اس وقت سنجیدگی سے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں اور آپ لوگ چاہتے ہیں کہ بات مذاق میں ٹل جائے‘‘۔

جج صاحب نے دھوئیں کے بادل اڑاتے ہوئے کہا ’’سنجیدگی سے مولانا آپ صرف اس نتیجے پر میری طرف سے پہنچائے جا سکتے ہیں کہ میں بڑا بے تکلف قسم کا آدمی ہوں، اور بہت صفائی سے بات بھی کرتا ہوں۔ اگر مجھے آپ کی وجہ سے کوئی تکلیف ہوتی تو میں ہرگز وہ تکلیف نہ اٹھاتا۔ ہاں اگر آپ کو کوئی تکلیف ہے یہاں تو میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ خواہ مخواہ وہ تکلیف اٹھائیں‘‘۔

میں نے کہا۔ ’’مجھے سوائے اس کے کوئی تکلیف نہیں ہے کہ آخر میں کب تک مہمان کی حیثیت سے رہوں‘‘۔

اب بیگم صاحبہ بھی بولیں۔ ’’آئی سی۔ تو گویا تم مہمان بن کر رہ رہے ہو؟‘‘

جج صاحب نے بڑے وثوق سے فرمایا۔ ’’اب تو بھئی تم واقعی مولانا ہو۔ بے بی نے تمہارا بالکل ٹھیک نام رکھا ہے۔ مولانا‘‘۔

شفقت نے کہا۔ ’’انکل! آپ خواہ مخواہ کی بحث میں پڑ گئے۔ ان سے کہئے کہ اگر یہ علیحدہ مکان لینا چاہتے ہیں تو شوق سے لے لیں۔ قیامت تک تو مکان نہیں مل سکتا‘‘

جج صاحب نے کہا۔ دیکھو مسٹر مولانا۔ اگر تمہارا یہی ارادہ تھا تو تم کو یہاں آ کر کسی ہوٹل ہی میں ٹھہرنا چاہئے تھا۔ مجھے ہرگز کوئی شکایت نہ ہوتی۔ مگر جب تم میرے گھر آ گئے تو اب اس گھر میں اپنے کو مہمان سمجھنا یہ تمہارا مولانا پن ہے۔ جس طرح رہ رہے ہو۔ چپکے رہتے رہو۔ میں رشتہ داری کا اتنا قائل نہیں ہوں جتنا دوستی کا قائل ہوں۔ اور تم کو میں اپنا ایک دلچسپ دوست سمجھتا ہوں‘‘۔

چچی جان نے فرمایا۔ ’’مولانا! بیٹے‘ یہاں سچ مچ دوستی ہی چلتی ہے۔ شفقت۔ اعجاز نزہت سب ان کے دوست ہیں اور تم سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ تم بے تکلف دوست بن کر رہو‘‘۔

میں اس وقت تو چپ ہو رہا۔ مگر والد صاحب کو خط میں اپنی یہ ساری الجھن لکھ دی کہ آخر میں کیا کروں۔ کب تک مفت کی روٹیاں توڑوں۔ ان کا جواب آیا۔ کہ اس کی ترکیب صرف یہ ہے کہ تنخواہ ملے۔ تو لا کر اپنی چچی کو دے دینا۔ اگر انہوں نے تنخواہ لینے سے انکار کیا تو پھر میں ان کو خط لکھوں گا۔

(۳)

جج صاحب کے حقیقی بھتیجے شفقت اور چچی جان کے بھانجے اعجاز میری طرح اسی اصطبل میں نہ جانے کب سے بندھے ہوئے تھے۔ شفقت میاں بی اے سے بھاگے ہوئے ایک اَپ ٹو ڈیٹ نوجوان تھے۔ جن کو دن رات صرف یہ فکر رہتی تھی کہ ولایت سے جو تازہ فیشن آئے۔ اس کی ابتدا پاکستان میں ان ہی سے ہو۔ صورت شکل کے تو خیر غنیمت قسم کے تھے۔ مگر جامہ زیب بلا کے واقع ہوئے تھے اور انگریزیت کچھ سما گئی تھی۔ ان میں کہ رات کا کھانا اگر ڈنر سوٹ پہنے بغیر کھالیں۔ تو ہاضمہ خراب ہو جائے، اور اگر کسی رات ڈانس نہ کر سکیں تو اپنے کو بیمار سمجھتے رہیں۔ وہ اپنے مخصوص اوقات

کے شدت سے پابند تھے کہ صبح آٹھ بجے بیدار ہونا، اور ہڈٹی لینا پھر خالص ولایتی انداز میں بیرے کو پکار کر حکم دینا کہ ”غسل لگاؤ“ اور غسل خانے جاتے وقت ہدایت کر جانا کہ ”کپڑے لگاؤ“ مختصر یہ کہ وہ اسی قسم کی نہ جانے کیا کیا علتیں لگائے ہوئے تھے۔ اعجاز میاں اتنے نجیب الطرفین انگریز تو نہ تھے مگر تھے یہ حضرت بھی اپنے وقت کے محمد فاضل تعلیم نہ جانے کہاں چھوڑ کر اب دن رات یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ نزہت سے شادی ہوگئی۔ تو جج صاحب خود ہی ولایت وغیرہ بھیج کر، ان کو اپنی دامادی کے قابل بنا دیں گے، مگر تھے یہ حضرت بڑے سیاسی آدمی اور چند ہی دن میں یہ اندازہ ہوگیا کہ شفقت اور اعجاز در اصل ایک دوسرے کے حریف واقع ہوئے تھے۔ شفقت تو نہایت سطحی قسم کا ایک بے وقوف سا آدمی تھا۔ مگر یہ حضرت بڑے گہرے تھے، ان کی تمام تر کوشش یہی تھی کہ شفقت کو جہاں تک ہو سکے۔ بر خود غلط بنائے رکھیں تاکہ اس کی حماقتیں راسخ ہو جائیں اور حود یہ حضرت جج صاحب ان کی بیوی اور نزہت کے نہایت اداشناس واقع ہوئے تھے۔ اور اپنے کو ان کی مرضی کے عین مطابق ڈھالنے میں شب و روز مصروف تھے۔ مثلاً جج صاحب کے متعلق ان کا مطالعہ یہ تھا کہ یہ بڑے میاں شفقت کی اس انتہا کو پہنچی ہوئی انگریزیت کو کچھ بہت زیادہ پسند نہیں کرتے بلکہ وہ کئی مرتبہ کہہ بھی چکے ہیں کہ شفقت نے اپنی زندگی کا جو معیار بنا رکھا ہے۔ یہ اپنی نجی زندگی میں چونکہ اس معیار پر زندگی بسر نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کو اس کا کوئی حق نہیں کہ اپنی عادتیں اس طرح

خراب کریں۔ اعجاز نے جج صاحب کی اس رائے سے یہ فائدہ اٹھایا کہ باوجود فیشن ایبل قسم کی زندگی بسر کرنے کے جہاں تک ہو سکا۔ سادگی سے کام لیا۔ ہڈٹی وہ بھی لیتا تھا۔ مگر ہیرے سے ”غسل لگاؤ“ نہیں کہتا تھا بلکہ نہایت خاموشی سے نہا دھو کر واجبی سے سلیقے کے ساتھ کپڑے پہن لیتا تھا۔ صبح اٹھ کر جوتے پر خود پالش کر لیتا تھا۔ جج صاحب نے اس بات سے روکا بھی۔ مگر اس نے زمانہ سازی سے کام لے کر یہی کہہ دیا کہ اپنا کام کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ مجھے اپنے ہاتھ سے اپنے جوتے پر پالش کر کے جو اطمینان ہوتا ہے وہ نوکر سے پالش کرا کے نہیں ہوتا اور اسے معلوم تھا کہ جج صاحب ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں۔ شفقت اپنی حماقت سے سمجھتا تھا کہ اس کی جامہ زیبی اور صورت گری سے نزہت اس کی دلدادہ ہو جائے گی۔ مگر اعجاز جانتا تھا کہ عورت مرد کو حسین دیکھنے سے زیادہ یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ مرد اس کو حسین دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ بجائے اس کو کہ وہ نزہت کا حریف بنتا۔ اس نے اپنے کو نزہت کا پرستار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ وہ شفقت کی طرح خود حسن کے پندار میں مبتلا نہ رہا بلکہ نزہت کو اس پندار میں مبتلا کر کے اس کے قریب آنے کی کوشش کرتا رہا۔ شفقت کی طرح اعجاز کا خیال یہ نہ تھا کہ شوہر کے انتخاب میں نزہت کی رائے قطعی اور آخری رائے ہے بلکہ وہ جانتا تھا کہ یہ فیشن ایبل گھرانا خواہ کتنی ہی انگریزیت میں کیوں نہ مبتلا ہو۔ مگر ان سب کی رگوں میں مشرقی خون ہے اور ویسے تو سب مغرب زدہ نظر آتے ہیں مگر نزہت کی شادی

کے باب میں نزہت کی ممی اندرونی طور پر ممی نہیں بلکہ ماں ہے اور نزہت کے ڈیڈی بھی اگر سچ پوچھئے تو ڈیڈی سے زیادہ خالص ابا جان واقع ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی خالہ کی اطاعت خالص مشرقی انداز میں کر جاتا تھا جس کا ان پر بڑا گہرا اثر پڑ رہا تھا اور خود اعجاز کو اندازہ ہو رہا تھا کہ رفتہ رفتہ اس نے شفقت سے زیادہ ان میں سے ہر ایک کا قرب حاصل کر لیا ہے۔

خیر یہ تو دونوں حریف اپنی اپنی جگہ پر سمجھ رہے تھے مگر میں نے ان حالات کا مطالعہ کر کے ایک تیسرا ہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ جج صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ ان دونوں میں سے کسی کے متعلق اس نقطۂ نظر سے غور ہی نہیں کر رہے تھے کہ ان میں سے کسی کو اپنا داماد بنانا ہے۔ الفاظ میں خواہ وہ نہ کہیں مگر ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان دونوں کو سخت ناکارہ سمجھتے تھے۔ اب مثلاً یہ ایک معمولی سی بات ہے کہ شفقت یا اعجاز دونوں میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ جج صاحب یا نزہت دونوں میں سے کسی کی کار استعمال کر سکیں۔ ان کے ساتھ کہیں چلے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے مگر یہ حق کسی کو نہ تھا کہ ڈرائیور سے خاص اپنے لئے گاڑی نکالنے کو کہے۔ اعجاز تو خیر اس بات کو سمجھتا تھا مگر وہ ولایتی چغد شفقت کئی مرتبہ اس سلسلہ میں منہ کی کھا چکا تھا۔ ابھی چند دن ہوئے یہ حضرت نہایت قیمتی سوٹ پہنے۔ موٹا سگار دبائے اپنے کمرے سے نکلے اور جج صاحب سے کہا۔ ''انکل! مجھے دیر ہو گئی ہے۔ ذرا ڈرائیور سے کہہ دیجئے کہ مجھے کلب تک چھوڑ آئے۔ تو جج صاحب نے نہایت رکھائی سے کہا۔

''یہ غلط ہے مسٹر! دیر کرنے کے ذمہ دار آپ خود ہیں۔ اس کی سزا میں کیوں بھگتوں کہ اپنی گاڑی آپ کے حوالے کر دوں۔''

اس احمق نے اس پر بُرا مان کر کہا۔ ''آپ کی گاڑی آخر دوسروں کے حوالے رہتی ہی ہے۔''

جج صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''غالباً آپ کی مراد شہاب میاں سے ہے۔ بے شک میری گاڑی ان کے حوالے اس لئے رہتی ہے کہ یہ بڑی سرکار ہیں۔ کماتے ہیں ان کو میں اس کا مستحق سمجھتا ہوں۔''

اس جواب پر وہ تو صرف جل بھن کر رہ گیا۔ مگر میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ جج صاحب ان حضرت کی بے روزگاری سے کس قدر آزردہ تھے اور ان کی کیا قیمت تھی جج صاحب کی نظروں میں مگر سوال یہ تھا کہ وہ کرتے بھی تو کیا کرتے۔ گریجویٹ ہونا ان کی قسمت میں نہ تھا۔ اور زندگی کا معیار ایسا بنا چکے تھے کہ معمولی ملازمت خاطر میں نہ لاتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ اسی انتظار میں تھے کہ سب سے بڑا عہدہ یہ ہے کہ جج صاحب ان کو اپنی غلامی میں قبول کر لیں۔ بہرحال وہ تو کچھ بھی ہو مگر جج صاحب اور چچی جان کی خصوصی شفقت نے جو میرے ساتھ تھی۔ ان حضرت کو کھلم کھلا اور اعجاز کو در پردہ میرا بھی حریف بنا دیا تھا۔ حالانکہ جہاں تک جج صاحب کی دامادی کا تعلق ہے، نہ میں نے کبھی یہ خواب دیکھا تھا نہ کبھی یہ خیال میرے ذہن کے کسی گوشے میں آیا بلکہ جب کبھی یہ دونوں اپنی اپنی جگہ مجھ سے یہ ذکر چھیڑتے کہ عنقریب وہ جج صاحب

کے داماد ہو جائیں گے تو میری دعائیں ان کے ساتھ ہوتیں اور میں ان دونوں کی اس بات کا یقین دلاتا رہتا تھا کہ میں اس میدان میں ان کا حریف ہرگز نہیں ہوں۔ اعجاز تو خیر چپ تھا۔ مگر شفقت نے تو ایک دن مجھ سے یہاں تک کہہ دیا کہ صاحب! آپ کی یہ نیت نہ سہی۔ مگر آپ کے معاملے میں اس بڈھے کی نیت میں فتور ضرور ہے۔

اور میں لاحول پڑھ کر اس بات کو ٹال گیا تھا اور اس کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ اپنے کو ان غلط فہمیوں میں مبتلا نہ رکھے۔

ان مسخروں کو جس نزہت سے شادی کی امیدیں تھیں۔ اس نزہت کو ابھی اس گھر میں شادی کے قابل ہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ لاکھ جوان سہی۔ اس کی عمر بھی یقیناً شادی کے قابل تھی۔ مگر جج صاحب ان اگلے وقتوں کے لوگوں میں سے نہ تھے جو اس کے قائل ہوا کرتے تھے کہ جوان لڑکی گھر میں ہو۔ تو ماں باپ کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ، ابھی تو نزہت نامِ خدا بے بی کہلاتی تھی کسی دقیانوسی گھر میں ہوتی تو بڑی بوڑھیاں اس غریب کی زندگی عذاب کر دیتیں کہ جواں جہاں لڑکی میں لڑکیوں کے ڈھنگ ہونا چاہئیں۔ دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھے، بے آواز کی ہنسی ہنسے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھے۔ دن رات غریب ٹوکی جاتی کہ "صاحبزادی لڑکی ذات اور یہ ہڑدنگے! آنکھوں کا پانی ہی ڈھل گیا ہے۔ توبہ ہے بی بی۔ یہ بھی بھلا دوپٹہ اوڑھنے کا کوئی انداز ہے کہ بتی بنا کر دوپٹہ گلے میں ڈال لیا ہے۔ اور منہ جھاڑ سر پہاڑ

چھلاوے کی طرح اچکتی پھر رہی ہے ادھر سے ادھر' یہاں دوپٹہ کے بتی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ دوپٹہ ہی ایک سرے سے غائب تھا۔ ایک آدھ مرتبہ نزہت کو ساری باندھے ضرور دیکھا۔ مگر اس کا آنچل بھی سر پر کبھی نظر نہ آیا۔ بال کٹے ہوئے یوں ہی ہوا میں پھرپھرایا کرتے تھے اور سیدھی چال تو شاید ہی کبھی چلتے اسے دیکھا ہو۔ ہرنیوں کی طرح سارے گھر میں کلیلیں کرتی پھرتی تھی۔ ناچنا وہ سیکھ رہی تھی۔ استاد باقاعدگی سے آ کر طبلے اور ہارمونیم پر اس کو تھرکنا سکھا رہے تھے۔ اور جب کبھی جج صاحب کے یہاں کوئی کھانا ہوتا تھا۔ اس میں نزہت کا ڈانس ضرور ہوتا تھا۔ ریڈیو پروگرام پر فلمی ریکارڈ چڑھا دیئے اور نزہت نے اس گانے کو اپنے ناچ سے سجا دیا۔ جج صاحب خود بڑے فخر سے اپنے دوستوں کو یہ ناچ دکھایا کرتے تھے اور فرمائش کرتے تھے کہ "ڈرائنگ" وہ ڈانس ہو جائے ذرا۔ "راجہ کی آئے گی برات" چنانچہ یہ ریکارڈ لگا دیا گیا اور نزہت نے پیروں میں گھنگھرو باندھ کر ایسا ناچ دکھایا کہ سب حیران رہ گئے اور ناچ ختم ہونے پر تالیوں سے کمرہ گونج اٹھا اور ایک ناچ کیا ہے بیڈمنٹن وہ کھیلے۔ پیراکی وہ کرے، سائیکل پولو وہ کھیلے اور اس کی اسی کھیلتی کودتی جوانی کا نام اس گھر میں بچپن تھا۔ اور وہ سترہ اٹھارہ سال کی عورت آپ کی دعا سے بے بی کہلاتی تھی۔

اگر کسی پرانے زمانے کی روح نے جج صاحب کی بیگم صاحبہ سے نزہت کی شادی کا ذکر چھیڑا بھی تو وہ ہنس کر ٹال دیا کرتی تھیں کہ "شادی ابھی

کیسی؟ ابھی وہ بچی ہے۔ یہی تو اس کے کھیل کود کے دن ہیں۔

اور وہ بچی اپنی بھرپور جوانی سے خود بھی بے خبر ماں باپ سے واقعی بچوں کی سی ضدیں کرتی تھی۔ چہلتی تھی۔ اٹھلاتی تھی اور اس کے طرح طرح کے چونچلے ہوتے تھے۔ مثلاً اس نے ضد کر کے رائیڈنگ کے لئے حال ہی میں گھوڑا خریدا تھا اور آجکل ہر صبح وہ برجس پہن کر ران سواری بھی فرماتی تھیں۔ ان حالات میں اس کی شادی کا ابھی سوال ہی کب پیدا ہوتا تھا؟ احمق تھے وہ جو شادی کے خواب دیکھ رہے تھے۔

(۴)

اپنی پہلی تنخواہ لے کر جس وقت میں پہنچا ہوں، جج صاحب لان پر اپنا دربار لگائے بیٹھے تھے۔ بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں۔ نزہت بھی تھی اور شفقت اور اعجاز بھی تھے، مجھ کو دیکھتے ہی جج صاحب نے بلند آواز سے فرمایا۔ ''ہلو مولانا! نزہت ڈرائنگ' اب چائے پلواؤ۔ ان کا ہی انتظار تھا۔ یہ آگئے اور یہ سنتے ہی نزہت نے بیرے کو آواز دے کر چائے لانے کا حکم دیا میں بیگم صاحبہ کے قریب ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ تنخواہ جوان کو دینے والا ہوں۔ کس طرح دوں؟ میں ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ جج صاحب نے فرمایا۔

''آج تو ہمارے مولانا بہت ہی خاموش ہیں۔ غالباً کالج کے طالب علموں کو دماغ کا کچھ زیادہ حصہ کھلا کر آئے ہیں۔''

میں نے ہنس کر کہا جی نہیں، دماغ چٹانے کی تو اب عادت ہی پڑ گئی اس وقت تو ایک گتھی ہے جو سلجھا رہا ہوں۔"

چچی نے اپنے بھاری بھرکم جسم سے کرسی کو چرچراتے ہوئے فرمایا۔ "خیریت تو ہے کیسی گتھی؟"

میں نے جیب سے لفافہ نکالتے ہوئے کہ۔ "گتھی ویسے تو کچھ بھی نہیں ہے بشرطیکہ آپ اس کو الجھنے سے بچالیں۔"

بیگم صاحبہ نے لفافہ لیتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے کیا آخر؟ کوئی گھر سے خط آیا ہے"؟

میں نے کہا "جی نہیں آج تنخواہ ملی ہے۔"

یہ سنتے ہی جج صاحب بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ "اچھا اچھا! مبارک ہو۔ آج تو گویا مولانا مٹھائی کھلوائیں گے۔ بھئی پہلی تنخواہ ہے نا۔ ہم سب ہی مٹھائی کے مستحق ہیں۔"

نزہت نے کہا۔ "مٹھائی کے تو خیر سب ہی حقدار ہیں مگر سچ پوچھئے تو پہلی تنخواہ کی حقدار بہنیں ہوتی ہیں۔"

جج صاحب نے کہا۔ "یعنی پوری تنخواہ کی۔ یہ کس قانون کی کس دفعہ کے ماتحت؟"

بیگم صاحبہ نے نزہت کی تائید کی "کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی ہے۔۔ ہوتا تو یہی ہے کہ بھائی کی پہلی تنخواہ بہنوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔"

شفقت نے اپنے نزدیک مذاق کیا۔ اگر یہ ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مولانا کا بھائی نہیں بلکہ بہن ہوں۔"

جج صاحب نے برجستگی سے فرمایا۔ "آپ تو غالباً مذاق میں کہہ رہے ہیں مگر مجھے آپ کے بناؤ سنگار سے اکثر یہی شبہ ہوتا رہتا ہے۔"

اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔ نزہت نے اپنی ہنسی پر قابو پا کر کہا۔ "دیکھ لو شفقت! میں تم سے اکثر کہا کرتی ہوں کہ یہ بال بال موتی پرونا عورتوں کا حق ہے جو تم چھیننے کی کوشش کرتے ہو۔ آج ڈیڈی کی بات سے معلوم ہوا کہ میرے علاوہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے متعلق یہی غور کرتے ہیں۔"

چچی نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ فرصت ہے۔ اطمینان ہے، وقت اپنا ہے جب تک جی چاہا آئینے کے سامنے بیٹھے رہے۔ پتہ تو اس وقت چلے گا جب یہ نوکر چاکر ہو جائیں گے۔ پھر میں دیکھوں گی کہ اس آرائش کا وقت کہاں سے لاتے ہیں؟"

جج صاحب نے بھرپور چوٹ کی۔ "اور فرض کر لیجئے ان کا ارادہ ہی نہ ہو۔"

چچی نے کہا۔ کیا ارادہ نہ ہو۔ یعنی نوکری کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ یہ بھی ایک ہی کہی۔ آخر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

جج صاحب نے کہا۔ "مجھے تو اس کے کچھ آثار نظر آتے نہیں اور نہ دنیا نے ابھی اتنی ترقی کی ہے کہ بجائے اس کے امیدوار ملازمت ڈھونڈھیں، ملازمتیں امیدوار ڈھونڈھتی پھریں۔"

شفقت نے اپنی ٹائی کا زاویہ درست کرتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال میں اس فکر سے غافل نہیں ہوں۔ یوں نوکری کرنے کو آج کر سکتا ہوں۔ مگر مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ لڑکے پڑھانے بیٹھ جاؤں۔“

جج صاحب جل ہی تو گئے اور بڑے تلخ انداز میں کہا۔ ”کس قدر اوچھا حملہ کیا ہے تم نے شہاب پر۔ حالانکہ تم کو غور کرنا چاہئے تھا کہ پڑھانے کی خدمت وہی انجام دے سکتا ہے جو خود پڑھا لکھا ہو“

نزہت نے بھی کہا۔ اس وقت تو شفقت تم نے واقعی بڑی تھرڈ کلاس بات کہی ہے۔ حالانکہ مولانا کی ملازمت نہایت ہی معزز قسم کی ملازمت ہے اور یہ پیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔“

شفقت نے ہر طرف کے حملے سے چوندھیا کر کہا۔ میرا مطلب غلط سمجھا گیا ہے میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ میں کوئی گھٹیا نوکری تو نہیں کر سکتا۔“

چچی نے رفع شر کے لئے کہا۔ بہر حال ہم تو تمہارے ہی بھلے کے لئے کہتے ہیں۔ خیر چھوڑو اس قصے کو۔ ہاں تو مولانا مبارک ہو تم کو یہ تنخواہ۔ لو رکھو اسے“

میں نے کہا۔ ”میں رکھوں اسے؟ وہ کس سلسلہ میں؟ آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا حق ہے تنخواہ رکھنے کا؟“

جج صاحب نے کہا۔ ”تم کو حق نہیں ہے تو اپنے والد کو بھیج دو۔ وہ بیچارے خوش ہو جائیں گے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ میں ان ہی کی ہدایت پر عمل کر رہا ہوں اور آپ کو اور چچی کو ابا جان اور امی جان ہی کا قائم مقام سمجھ کر میں نے یہ تنخواہ چچی کی خدمت میں پیش کی ہے۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”یہ سعادت مندی ہے تمہاری تم نے دی ہم نے وصول پائی تنخواہ اب ہم پھر تم کو انعام کے طور پر دیتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”مگر میں کروں گا کیا؟ میری ہر ضرورت خود بخود پوری ہو جاتی ہے مجھے تو آج تک کبھی روپے پیسے کی ضرورت محسوس ہوئی نہیں اور اگر کبھی ضرورت ہوگی تو ظاہر ہے کہ آپ ہی سے مانگوں گا۔“

جج صاحب نے پائپ کے یک مشت تین چار کش لگا کر فرمایا۔ ”میں اس بات پر غور کر رہا ہوں زینت (وہ چچی کا نام ہی لیا کرتے تھے) کہ ہم رفتہ رفتہ ان باتوں کو بھولتے جاتے ہیں کہ خوردوں اور بزرگوں کے درمیان کس قسم کے تعلقات ہونے چاہئیں۔ خوردوں میں کس قسم کی سعادت مندی ہو۔ اور بزرگ اس کا کس قسم کی شفقت سے جواب دیں۔ اب مثلاً مولانا نے تنخواہ لا کر جو تم کو دی ہے ظاہر ہے کہ نہ تم لے لوگی نہ لینا چاہئے۔ مگر اس سے ایک مسرت ضرور محسوس ہوئی اور گویا مولانا نے ہم کو یہ یاد دلا دیا کہ یہ ہمارے چھوٹے اور ہم ان کے بڑے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ باتیں بہت تیزی سے ختم ہو رہی ہیں۔“

شفقت جلے ہوئے تو بیٹھے ہی تھے۔ دوسرے عقل سے کام لینا ان کی

وضع کے خلاف تھا ابا بول اٹھے۔ ''یہ باتیں ختم اس لئے ہو رہی ہیں کہ یہ سب
گویا منافقانہ چونچلے ہیں۔ ترقی یافتہ زمانہ نہیں چاہتا کہ خورد اپنے بزرگوں کو
اس طرح بیوقوف بنائیں''۔

جج صاحب نے بڑی سختی سے اس کی تردید کی۔ نہیں نہیں، یہ غلط ہے۔
نہ یہ منافقت ہے، نہ یہ بے وقوف بنانا ہے بلکہ یہ صرف سعادت مندی ہے۔
اب مثلاً مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے مولانا سگریٹ پیتے ہیں مگر
انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ میں اس کو برا نہیں سمجھتا کبھی میرے سامنے
سگریٹ نہیں پی۔ اس کو تم کیا کہو گے؟''

شفقت نے کہا۔ ''میری اصلاح میں اس کو چوری کے علاوہ اور ہ
نہیں کہہ سکتے۔''

نزہت نے کہا۔ ''اگر یہ چوری ہے تو جو کچھ آپ اس سلسلے میں کرتے
ہیں اس کا نام ہوا سینہ زوری۔''

جج صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''بڑی اچھی بات کہی۔ بہت ہی
برجستہ اور نہایت برمحل۔ بھئی خوب رہی یہ سینہ زوری یہ درست ہے کہ میں خود
یہ کہتا ہوں کہ بھئی اگر سگریٹ پیتے ہو تو کیوں نہ میرے سامنے ہو۔ مگر اس کے
باوجود یہ منظر کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے گویا برخوردار جن کو گود میں کھلایا
ہے اور دودھ کی شیشی پیتے دیکھا ہے وہ اپنے ہی منہ پر سگریٹ کے دھوئیں
پھینکیں۔ میں اپنے تجربوں کی روشنی میں اگلے وقتوں کی ان باتوں کا روز بروز

قائل ہوتا جا رہا ہوں۔''

چچی بولیں۔ ''خیر ہم لوگ تو اس کو واقعی ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ
لحاظ ہونا ضرور چاہئے۔ خیر اب یہ تو بتائیے کہ یہ روپے کئے کیا جائیں۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''یہ مجھ کو دو میں صبح ہی مولانا کے نام سے بنک
میں اکاؤنٹ کھول کر چیک بک مولانا کے حوالے کر دوں گا۔''

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے جس توقع کی بنا پر یہ
سعادت حاصل کرنا چاہی ہے۔ وہ مجھ کو نصیب نہ ہو سکے گی۔''

نزہت نے کہا۔ ''ڈیڈی آپ ان کو پکے کاغذ پر لکھ کر دے دیجئے۔ کہ
یہ سعادت مند ہیں تاکہ ان کو اطمینان ہو جائے۔ توبہ ہے، اپنی تعریفوں سے
آخر آپ کا پیٹ کیوں نہیں بھرتا۔''

میں نے کہا۔ ''جی نہیں میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں مجھ
سے خیریت نہ برتی جائے۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''میاں لاحول ولاقوۃ'' غیرت گئی جہنم میں۔
ے کا ناس مار کے رکھ دیا۔ ختم کرو یہ قصہ اور چائے پیو۔ میں جو مناسب
سمجھوں گا کر دوں گا۔''

---

(۵)

عصر کی نماز پڑھ کر میں نے سلام پھیرا ہی تھا کہ جج صاحب میرے کمرے میں آ کر ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گئے اور مجھ کو اپنی طرف متوجہ پا کر بولے۔ نہیں نہیں تم نماز پڑھ لو پھر ہوں گی باتیں۔“

”میں نے عرض کیا۔ میں نماز پڑھ چکا ہوں۔“

کہنے لگے۔ ”بس تو پھر ٹھیک ہے۔ ذرا ادھر آ جاؤ ایک لطیفہ سناؤں تمہیں۔ یہ لطیفہ بھی ہے اور حادثہ بھی کبھی مجھ کو ہنسی آتی ہے اور کبھی جی چاہتا ہے کہ ریوالور میں ساتوں کارتوس بھر کر اس احمق کو چھلنی کر دوں۔“

میں نے قریب ہی کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔ یہ کس کا ذکر ہے۔ اعجاز صاحب سے تو کسی لطیفہ کی امید ہے نہ کسی حادثے کا خطرہ۔“

جج صاحب نے کہا۔ خیر امید تو ان حضرت کی ذات والا صفات سے

بھی بہت کچھ ہے مگر اس وقت ذکر واقعی ان کا نہیں ہے بلکہ بات کر رہا ہوں۔ اس سند یافتہ چغد کی جس کا نام ہے شفقت۔ عجیب سر پھرا لونڈا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنے کو سمجھتا کیا ہے؟ عقل کی جتنی کمی ہے۔ دماغ اتنا ہی عرش پر واقع ہوا ہے۔ مجھے ان حضرت پر کچھ دن سے ایک شبہ تھا۔ یہ جو ہمارے پڑوس میں مسٹر جیکب رہتے ہیں ان کے یہاں کچھ گڑبڑ ہے ان صاحبزادے کی ___ مجھے خود جیکب کی لڑکی میری کی طرف سے بھی شبہ تھا اور اسی شبہ کی بنا پر میں نہیں چاہتا تھا کہ بے بی سے اس کے تعلقات جاری رہیں۔ مگر وہ بچی بے قصور نکلی اور معلوم ہوا کہ اس کی طرف سے صرف کھلنڈرا پن تھا اور اس گدھے کی طرف سے باقاعدہ مجرمانہ شرارت' چنانچہ ان حضرت نے اس کو ایک خط لکھ مارا اور اس نے یہ خط بے بی کے حوالے کر دیا کہ اپنے ان عزیز محترم کی یہ حرکتیں ملاحظہ فرمائیے۔ اس خط میں اس خبیث نے' علاوہ نہایت بازاری قسم کا عشق جھاڑنے کے بہت سے سفید جھوٹ بھی بولے ہیں مثلاً لکھتا ہے۔ ذرا غور سے سننا کہ ان ننگ خاندان نے لکھا کیا ہے؟“

”نزہت لاکھ میری منگیتر سہی۔ ممکن ہے کہ لوگ اس کو حسین بھی کہیں یہ بھی درست کہ وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ مگر محبت ان داموں تو نہیں بکا کرتی۔ میں نزہت کی یہ تمام حیثیتیں تمہاری صرف ایک نگاہ غلط انداز پر نچھاور کر سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کم سے کم مجھ کو پسند نہیں کرتیں۔ مگر میں تم کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم صرف مجھ کو پسند ہی نہیں بلکہ میری پسند کا

آخری معیار ہو۔ مذہب کا اختلاف اس لئے بے معنی ہے کہ میں مذہبی آدمی نہیں۔ میرے لئے اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کہ بجائے کسی مولوی کے کوئی پادری مجھ کو تمہارے اور تم کو میرے حوالے کر دے۔ اس کے علاوہ اگر تمہارے لئے یہ بھی ضروری ہو کہ میں مذہب تبدیل کروں تو بھی مجھے انکار نہ ہوگا۔ بہر حال میں ہر قیمت پر بکنے کے تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم خریدار ہو"۔

میں نے سنتے سنتے کہا۔ کمال کر دیا۔ "یعنی مذہب تک کی قربانی۔"

جج صاحب نے غصے سے کہا۔ "خیر وہ تو قربانی کا بکرا ہے ہی۔ مگر اس مردود کو جھوٹ بولنے کا کیا حق تھا کہ نزہت میری منگیتر ہے۔"

میں نے کہا۔ "جھوٹ ہی بولنا ٹھہرا۔ تو پھر حق کا کیا سوال۔ جھوٹ بولنے کے لئے کسی حق کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

جج صاحب نے کہا۔ "اچھا صاحب، اب سنئے کہ واقعہ کیا ہے۔ میں نے پوری تحقیقات کر لی ہے اور خود میری سے بھی بات کر چکا ہوں۔ وہ بے چاری سوائے اس کے کہ نہایت شریر اور تیز لڑکی ہے اور اس کا کوئی قصور نہیں۔ قصہ شروع یوں ہوا کہ وہ ان حضرت کو دیکھا کرتی تھی کہ ایک احمق ہے جس کو دنیا میں سوائے اس کے کوئی کام ہی نہیں کہ۔

اللہ شرم رکھ لے تو میرے جنگجو کی
آئینہ سامنے ہے چومیں ہیں دوبدو کی

جب دیکھئے آئینے کے سامنے کھڑے اسنو پر اسنو اور کریم پہ کریم رگڑ رہے ہیں۔ چہرے پر پہلے تو اس نے تعجب سے دیکھا کہ کیا مرد بھی اس شدت سے سولہ سنگھار کرتے ہیں اور آخر ایک دن بے بی سے بھی پوچھا کہ یہ تمہارے گھر میں کوئی فلمی ہیرو آ گھسا ہے یا کوئی بہروپیہ ہے۔ آخر یہ شخص ہے کون؟ پھر ان دونوں لڑکیوں کو شرارت سوجھی اور میری نے باقاعدہ ان حضرت کو اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھنا شروع کر دیا۔ آپ سمجھے کہ مر مٹی یہ لڑکی ان کے حسن جہاں سوز پر۔ اور یہ سمجھنے کے بعد پھر کچھ نہ پوچھئے کہ اس مسخرے نے اپنے حسن میں اضافے کی کیا کیا ترکیبیں نہیں کی ہیں۔ ابھی ایک وضعدار سوٹ پہنے کھڑکی کے سامنے کھڑے ہیں تو ابھی ٹینس کٹ میں گویا اس کا صبر و قرار لوٹ رہے ہیں ابھی کمبنیشن میں جامہ زیبی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ تو ابھی ڈنر جیکٹ میں اپنا جادو جگا رہے ہیں۔ کبھی سگار کے کش لے لے کر چھلے بنا رہے ہیں تو کبھی سگریٹ کیس پر ٹھونک ٹھونک کر سگریٹ سلگا رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کو سو رنگ کے جلوے دکھاتے ہیں۔ ہر نظر کے لئے ایک نیا کرشمہ مہیا کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ کمینہ پن شروع کیا کہ اشارے فرمانے لگے۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کل آپ نے یہ خط لکھ مارا اور میری نے یہ خط من و عن بے بی کے حوالے کر دیا کہ لو دیکھ لو اس جانور کے کرتوت بے بی نے یہ خط مجھے اور اپنی ممی کو دکھایا اور جب میں نے میری کو بلا کر تمام قصہ سنا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ ہم تو ایک بیوقوف کو بیوقوف بنا رہے تھے۔ چنانچہ ہم جتنا سمجھتے تھے اس سے کہیں زیادہ اس احمق کو احمق پایا۔"

میں نے کہا۔ ''خیر یہ شرارت سہی مگر تھی نہایت خطرناک شرارت۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''بھئی یہ تو میں نے بھی کہا کہ ان لڑکیوں نے خصوصاً میری نے نہایت زیادتی کی ہے۔ میری کو میں نے سختی سے ڈانٹ بھی دیا اور بے بی کو بھی شرمندہ کیا کہ اس بھونڈے مذاق میں اس کو حصہ نہ لینا چاہئے تھا مگر سوال یہ ہے کہ اس گدھے نے یہ منگیتر والی بات کیسے لکھ دی۔''

میں نے کہا۔ ''اس کو بھی آپ میک اَپ ہی کی ایک قسم سمجھئے۔ میک اَپ بھی جھوٹ بولنے کی ایک قسم ہے اور یہ بھی جھوٹ بولنے کی ایک قسم ہے اور یہ جھوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''غلطی اصل میں میری ہی ہے کہ میں اس کو اپنے مرحوم بھائی کی نشانی سمجھ کر اپنے یہاں رکھے ہوئے ہوں۔ ارادہ یہ تھا کہ اس کو تعلیم دلواؤں گا اور پڑھ لکھ جائے گا۔ تو اپنے اثر اور رسوخ سے کام لے کر کوئی ڈھنگ کی نوکری دلوا دوں گا۔ میری اس توجہ کا نتیجہ اس پاگل نے یہ نکالا کہ پڑھا لکھا خاک بھی نہیں خواہ مخواہ کے صاحب بہادر بن کر رہ گئے اور اب ہماری یہ بلی ہم ہی سے میاؤں کرنے لگی۔ بھلا بتائیے اگر مسز جیکب کو خبر ہو جاتی تو وہ میرے متعلق کیا رائے قائم کرتے اور پڑوس کے اتنے اچھے تعلقات خراب ہو جاتے۔''

میں نے کہا۔ ''پھر اب آپ نے کیا طے کیا ہے؟''

جج صاحب نے کہا۔ ''سبحان اللہ یعنی یہی تو میں مشورہ لے رہا ہوں

کہ کیا کروں؟ مصیبت سب سے بڑی یہ ہے کہ اب بے بی آپے سے باہر ہے وہ کہتی ہے کہ اس بے ہودہ نے میری تذلیل کی ہے تو اس کو ذلیل کر کے رہوں گی۔''

میں نے کہا۔ ''یہ نہیں خیر یہ تو بہت ہی غلط بات ہوگی۔ نزہت کو اس پستی میں نہ اترنا چاہئے بلکہ اپنے کو اس سطح سے بلند و بالا رکھنا چاہئے۔''

جج صاحب نے خوش ہو کر کہا۔ ''ہاں۔ بس یہی میں بھی چاہتا تھا کہ بے بی اس گندگی میں کوئی حصہ نہ لے۔ ایک تو یہی کیا کم ہے کہ اس کے ذہن میں گویا یہ خیال پیدا ہوا کہ اس قسم کی باتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ میں اس کو ہر طرح کی آزادی دینے کے باوجود اس قسم کی باتوں میں بالکل معصوم رکھنا چاہتا تھا اور تم نے اندازہ کیا ہوگا کہ اس کو کبھی اپنی عمر اور جنس کا احساس تک نہیں ہوا۔ وہ لڑکیوں کو سمٹنا اور سکڑنا سکھا سکھا کر یاد دلایا جاتا ہے کہ تم عورت بن رہی ہو۔ یہ شعور میں نے اس کے پاس بھی پھٹکنے نہ دیا۔''

میں نے کہا۔ ''خیر اس پر تو کبھی تفصیل سے اپنے خیالات پیش کروں گا مگر اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ نزہت کو اس قصے میں الجھنے سے باز رکھا جائے۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''بھئی اب تم ہی اس کو سمجھاؤ۔ میرا خیال ہے کہ وہ تمہاری بات ضرور مان لے گی۔''

میں نے کہا۔ ''ہاں۔ میں تو آپ سے بھی عرض کروں گا۔ آپ بھی اور

چچی بھی اس سلسلے میں شفقت صاحب سے کوئی بات نہ کریں تو اچھا ہے۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''کیا مطلب؟ یعنی اس کی رسّی دراز رہنے دیں چہ خوش۔ میں تو اس کو نوٹس دینے والا ہوں کہ ما بخیر شما سلامت اپنا ٹھکانہ کہیں اور ڈھونڈھ لو۔''

عرض کیا۔ ''میرے خیال میں فی الحال یہ مناسب نہ ہوگا۔ آپ لوگوں کے بدلے ہوئے تیور ہی ان کے لئے کافی ہوں گے۔''

جج صاحب نے ہنس کر کہا۔ ''اجی توبہ کیجئے وہ ایسے غیرت دار نہیں ہیں۔ جس مٹی سے چکنا گھڑا بنتا ہے اسی سے اتفاقاً یہ آدمی کی شکل کا ایک برتن بن گیا ہے۔ بہرحال میں تمہارے مشورے کے بغیر کچھ نہ کروں گا۔ تم فی الحال بے بی کو تو سمجھاؤ۔''

بیرے نے آکر اطلاع دی کہ چائے پر ہم دونوں کا انتظار ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں بھی جج صاحب کے ساتھ چائے کی میز پر آ گیا۔

(۶)

نزہت سے میرے تعلقات میں اب وہ بیگانگی اور اجنبیت تو نہ تھی جو ابتداء میں تھی۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ مجھ کو نزہت سے کبھی کوئی سنجیدہ بات کرنے کی نوبت نہ آئی تھی اور نہ کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آئی کہ اس کو علاحدگی میں بلا کر کوئی بات کرتا۔ ویسے وہ کبھی کبھی میرے کمرے میں بھی آجایا کرتی تھی۔ مثلاً کبھی میری کتابیں تتر بتر کرنا ہوئیں تو وہ آ گئی۔ کبھی میں نے کالج سے آکر کمرے کی یہ کیفیت دیکھی کہ گویا میری عدم موجودگی میں یہاں بھونچال آیا ہو تو میں سمجھ جایا کرتا تھا کہ نزہت کا گذر ہوا ہے۔ کبھی کسی تازہ رسالے کی تلاش میں آنکلیں تو کبھی اپنی کسی سہیلی کو عجائب خانے کے طور پر میرا کمرہ دکھانے آ گئیں۔ مگر ایسی صورت غالباً کبھی پیش نہیں آئی کہ وہ خاص طور

پر صرف میرے پاس آئی ہوں یا میں نے ان کو خاص طور پر بلایا ہو۔ مگر اب جج صاحب کے ارشاد کے مطابق مجھ کو یہ فکر تھی کہ ان کو زحمت دوں، مگر سوال یہ تھا کہ کیا کہہ کر بلاؤں اور بلاؤں بھی یا خود ان کے کمرے میں چلا جاؤں۔ میں ابھی یہ غور ہی کر رہا تھا کہ یکایک وہ خود میرے کمرے میں آ گئیں اور تشریف لاتے ہی بولیں۔

''فرمائیے! کیسے یاد فرمایا تھا؟''

میں نے کہا۔ ''یاد فرمایا تھا، یعنی میں نے یاد فرمایا تھا۔''

نزہت نے تعجب سے کہا۔ ''اچھا یعنی آپ تو اس طرح حیران ہو رہے ہیں گویا مجھ سے ڈیڈی نے خواہ مخواہ ہی آپ کی طرف سے کہہ دیا ہے۔''

میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ''میں نے چچا جان سے یہ ضرور کہا تھا کہ آپ کو بھیج دیں۔''

نزہت نے حسب معمول اپنے غیر سنجیدہ انداز سے کہا۔ ''جی ہاں! اسی بات کو ہم مہذب لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ آپ نے یاد فرمایا تھا۔''

میں نے کہا۔ ''بڑی مسرت ہوئی یہ معلوم کر کے کہ جناب بھی گویا مہذب لوگ ہیں۔''

نزہت نے تیزی سے کہا۔ ''مہذب لوگ نہیں بلکہ مہذب لوگوں میں سے ایک ہوں۔ بہرحال فرمائیے بات کیا تھی؟''

''میں نے کہا۔ مہذب لوگوں کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ

وہ جب کسی کے بلانے پر جائیں تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر نہ جائیں۔''

اس نے برجستہ کہا۔ ''بلکہ افیون کی چسکی لے کر جائیں اور پینک میں بیٹھ رہیں۔ مجھے جلدی یہ ہے کہ میری بیڈمنٹن کورٹ پر میرا انتظار کر رہی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میری اور میرا ابھی خوب ہے۔ بہرحال اگر اس وقت آپ کو فرصت کم ہے تو پھر کسی وقت سہی۔ مجھے ذرا تفصیلی باتیں کرنا ہیں آپ سے۔ جس میں ذرا وقت لگے گا۔''

نزہت نے بڑے غور سے مجھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھ سے تفصیلی باتیں؟ خیریت تو ہے مولانا؟''

میں نے کہا۔ ''تفصیلی بھی اور نہایت سنجیدہ بھی اور وہ آپ ہی کے متعلق باتیں۔''

نزہت نے اب سنجیدگی سے کہا۔ ''اچھا تو میں میری سے کہے دیتی ہوں کہ میں اس وقت مصروف ہوں اور ابھی آتی ہوں واپس۔''

میں نے کہا۔ ''نہیں نہیں آپ اپنا پروگرام کیوں ملتوی کریں۔ پھر کسی وقت سہی۔''

نزہت نے کہا۔ ''جی نہیں میں ابھی آتی ہوں۔ وہ پروگرام کوئی خاص نہیں ہے۔ یوں ہی شٹل کاک اڑانے تھے خواہ مخواہ میری کے ساتھ کھیل کر ویسے بھی میرا کھیل خراب ہوتا ہے میں بس ابھی آئی۔''

اور یہ کہہ کر وہ ایک ٹانگ سے اچھلتی ہوئی چلی اور دونوں ٹانگوں سے

بھاگتی ہوئی چلی گئی مگر آج میں نے اندازہ کیا کہ یوں تو وہ ہمیشہ کی طرح کھلنڈرے پن کے موڈ میں تھی۔ مگر جب مَیں نے اس سے سنجیدگی کے ساتھ کہا مجھے سنجیدہ باتیں کرنا ہیں تو وہ خود بھی بے حد سنجیدہ بن گئی تھی اور اس سنجیدگی سے وہ بالکل بدلی ہوئی سی نظر آرہی تھی۔ اس کی اس تبدیلی نے میرے حوصلے بھی بڑھا دیئے تھے۔ ورنہ میں جج صاحب کے حکم کی تعمیل کے طور پر اس کو سمجھانا تو چاہتا تھا مگر ساتھ ہی ساتھ ڈر رہا تھا کہ وہ نہ جانے مجھ کو چٹکیوں میں اڑا دے گی یا ہنسی میں اڑا کر بے وقوف بنا کر رکھ دے گی۔ جج صاحب نے کہا تو تھا کہ وہ تمہاری بات ضرور مان لیگی۔ مگر سچ پوچھئے تو مجھے امید بہت ہی کم تھی البتہ تھوڑی دیر کے لئے اس کا موڈ جو بدلا۔ تو مجھے جج صاحب کی اس بات میں بھی صداقت نظر آنے لگی۔ میں اس سے بات کرنے کے لئے ابھی الفاظ جمع ہی کر رہا تھا کہ وہ واپس آکر بولی۔

’’لیجئے میں آگئی اور نہ صرف تفصیل سے آئی ہوں بلکہ آپ کی سنجیدہ بات سننے کے لئے پوری سنجیدگی کے ساتھ آئی ہوں۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’شکریہ! مجھے آپ سے ذہانت، سمجھداری اور اس طرح کی دوسری امیدیں تو تھیں مگر سنجیدگی کی امید اس لئے نہ تھی کہ میں نے آپ کو کبھی سنجیدہ دیکھا ہی نہیں۔‘‘

اس نے سچی بات کہہ دی۔ ’’جب کوئی سنجیدگی سے مجھے خاطر ہی میں نہ لائے تو میں خاک سنجیدہ بنوں آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ اتنی بڑی تو میں ہوگئی

ہوں اور کہلاتی ہوں اب تک اس گھر میں بے بی۔ جی چاہتا ہے کہ غصہ میں آکر فیڈنگ باٹل لے کر ہنڈولنے میں پڑ رہوں۔‘‘

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ’’بات یہ ہے کہ ہمارے چچا جان کے یہاں آپ کے بعد کوئی اور اولاد جو نہیں ہوئی۔‘‘

اس نے بڑی سادگی سے کہا۔ ’’لیجئے تو اس میں میرا کیا قصور کہ اس کی سزا میں بھگتوں اور زندگی بھر بے بی کہلاؤں۔ خیر چھوڑیئے اس بات کو میں اس وقت بے بی نہیں ہوں۔ بلکہ ایک سنجیدہ خاتون ہوں۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’آخاہ یعنی سنجیدہ بھی نہیں بلکہ خاتون۔ بہرحال میں اس وقت آپ سے اس اعتماد پر چند باتیں کر رہا ہوں کہ مجھ کو خدا جانے کیوں اس بات کا یقین ہے کہ آپ میری بات کم سے کم قابل غور ضرور سمجھیں گی۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’یقیناً سمجھوں گی۔ اس لئے کہ آپ نے کوئی مہمل بات نہیں کہی۔ اور نہ میں نے آپ کے کسی طرز عمل کو غیر معقول پایا۔‘‘

میں نے کہا۔ مجھے اس احمقانہ قصے کی اطلاع مل چکی ہے جو آپ کے ایک بیوقوف بھائی اور آپ کی سہیلی میری کے درمیان ہوا ہے۔‘‘

نزہت نے کہا۔ میری کا نام خواہ مخواہ نہ لیجئے۔ وہ تو گھاس بھی نہیں ڈالتی ایسے جانوروں کے سامنے مگر اب آپ دیکھئے گا کہ میں اس شفقت کی کیسی خبر لیتی ہوں؟‘‘

میں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ’’دیکھو نزہت میں نے تم کو خاص طور

پر اسی لئے بلایا ہے کہ شفقت صاحب نے اس سلسلے میں جس گراوٹ اور ابتذال کا ثبوت دیا ہے اس سطح پر تمہارا ان کو مخاطب کرنا خود تمہاری شان کے خلاف ہے یا نہیں؟‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’ہے تو سہی مگر آپ ہی بتایئے کہ اس کو اس کا کیا حق ہے کہ خواہ مخواہ میرے متعلق ایسی بے ہودہ بات کہے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’وہ بات چونکہ بے ہودہ ہے۔ لہٰذا آپ کے وقار کے خلاف ہے کہ اس سلسلے میں آپ اس سے باز پرس کریں۔ آپ کو تو اب اور بھی چاہئے کہ اسے منہ نہ لگائیں۔ گویا آپ کو خبر ہی نہیں۔ آپ رسید ہی نہ دیں۔ میں نے یہی مشورہ چچا میاں کو دیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں شفقت سے کوئی بات نہ کریں۔ صرف ان کی بے رخی اور آپ کی بے اعتنائی ان کو ان کی اوقات پر پہنچا دے گی۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’میں کروں گی تو وہی جو آپ مشورہ دیں گے۔ مگر جی تو یہی چاہتا تھا۔ کہ ان حضرات کو ذرا آئینہ دکھا دیا جاتا کہ حضرت منہ دھو رکھئے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’مگر الفاظ میں یہ بات کہنا کچھ نہ کہہ کر طرز عمل سے بے رخی ظاہر کرنے کے مقابلے میں ہلکی بات ہے ان کا کیا ہے وہ تو ایک ادنیٰ ذہنیت کے سطحی آدمی ہیں مگر آپ کیوں اپنی بلندی سے ان کی پستی پر اتریں۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’یہ بات آپ نے واقعی بالکل درست کہی۔ میں اب اس سے کچھ نہ کہوں گی مگر ذرا غور تو کیجئے کہ عجیب چوکور دماغ ہے اس شخص کا۔ عورتوں کی طرح بن سنور کر وہ سمجھتا ہے کہ گویا عورتیں مچھر اور مکھیاں ہیں۔ اور وہ فلٹ کی پچکاری۔‘‘

میں نے بے ساختہ ہنس کر کہا۔ ’’کیا کہنا ہے۔ بڑی اچھی بات کہی۔ جی ہاں اس قسم کے سطحی لوگوں کو اپنے متعلق یہی خوش فہمی ہوا کرتی ہے۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’حالانکہ میں نے کبھی اس کو منہ نہیں لگایا۔ اس کے اس تمام بناؤ سنگھار کا ہمیشہ مذاق اڑایا۔ اس سے ہمیشہ یہی کہا کہ مجھے مردوں کا یہ بال بال موتی پرونا پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔ میں اس کو کئی مرتبہ وہ نظم بھی سنا چکی ہوں ع

مانگ لی نسوانیت سے تم نے ہر شیریں ادا

مگر عجیب اوندھی کھوپڑی پائی ہے کہ اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ بہرحال آپ نے یہ بالکل ٹھیک کہا کہ ہم کیوں اس کی پستی میں اپنے کو لے جائیں۔ جائے چولہے میں وہ، ہماری طرف سے۔‘‘

اور میں نے دیکھا کہ واقعی وہ کھلنڈری نزہت اس وقت بے بی نہیں بلکہ ایک سنجیدہ خاتون بنی ہوئی میرا مشورہ قبول کر رہی تھی۔

(۷)

نزہت سے میرے بڑے دوستانہ اور یگانگت کے تعلقات تھے۔ وہ کہتی تو خیر اب بھی مولانا ہی تھی مگر اس مولانا میں اب طنز نہ تھا بلکہ یہ تو میرا نام تھا گویا۔ ورنہ اس کی ہر بات سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کو مجھ پر جو اعتماد ہے وہ خیر شفقت کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ اعجاز پر بھی نہیں ہے بلکہ اس سے اس کے دل کی باتیں معلوم کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ اعجاز کو میرے خیال کے عین مطابق شفقت سے زیادہ خطرناک سمجھتی ہے اس لئے کہ شفقت تو خیر ایک کھلے ہوئے بےوقوف واقع ہوئے ہیں مگر اعجاز ذرا گہرے قسم کے آدمی ہیں۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ حضرت بھی اسی کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ہر چند ابھی تک ان دونوں میں سے کسی کو سلسلے جنبانی کرنے کی جرأت نہیں ہوئی ہے۔ مگر دونوں اپنی اپنی جگہ پر یہی احمقانہ خواب دیکھ رہے ہیں جو بقول نزہت کے کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ بڑی مصیبت نزہت کے لئے یہ تھی کہ وہ اپنی ماں یا اپنے باپ سے باوجود انتہائی بےتکلف ہونے کے یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ اس کو ان دونوں کا یہاں رہنا پسند ہے۔ شفقت کا قصہ یہ تھا کہ جج صاحب کے مرحوم بھائی کا لڑکا ہے اور بھائی کے مرنے کے بعد جج صاحب اس کو مستقل طور پر اپنے یہاں لے آئے ہیں۔ گویا اب یہی اس کا گھر ہے، رہ گئے اعجاز صاحب، وہ بیگم صاحبہ کی بڑی بہن کے ولی عہد بہادر واقع ہوئے ہیں اور وہ غالباً اس سلسلے میں یہاں رہتے ہیں کہ اگر جج صاحب کے بھائی کا لڑکا رہ سکتا ہے تو جج صاحب کی بیوی کی بہن کا لڑکا کیوں نہ رہے اور اصل قصہ صرف یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ نزہت کو شفقت لے اڑے اور سونے کی چڑیا ان کے ہاتھ نہ آسکے۔ مگر یہاں نہ تو جج صاحب کے ذہن میں ان دونوں میں سے کسی کے متعلق یہ سوال تھا نہ بیگم صاحبہ نے ان دونوں میں سے کسی کے متعلق اس نقطۂ نظر سے غور کیا تھا۔ رہ گئی نزہت اس کو تو ان دونوں سے شدید الجھن ہوتی تھی اور وہ ان دونوں کے سلسلے میں لعنت کی قائل تھی۔ اور جب کبھی وہ میرے پاس آتی تھی، ان دونوں کی کوئی نہ کوئی مضحکہ خیز داستان لے کر آتی تھی۔ چنانچہ آج بھی جب میں کالج سے واپس آیا ہوں تو اس نے میرا اس طرح خیر مقدم کیا۔ گویا اس کو میرا شدید انتظار تھا۔ دوڑی ہوئی میرے کمرے میں آکر بولی۔

"ارے مولانا! آپ کہاں رہ گئے تھے۔ آج تو لطف ہی آ گیا۔ خیر آپ نماز پڑھ لیں تو ابھی بڑا مزیدار قصہ سناتی ہوں آپ کو۔"

میں نے کہا۔ "آپ قصہ سنایئے میں نماز پڑھ کر آیا ہوں۔"

نزہت نے کہا ارے صاحب آج آپ کے غلام نے لٹریچر کے دریا بہا دیئے۔ جانے کتنے دنوں سے وہ ایک مکالمہ تصنیف کر کے رٹ رہا تھا اور آج اس کو موقع ملا کہ عین اس وقت جب میں گلدانوں کے لئے باغیچہ میں پھول توڑ رہی تھی وہ نازل ہو گیا اور لگا ایک دم ڈائیلاگ بولنے۔"

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "یہ تو معلوم ہو کہ یہ کس غلام کا ذکر ہے۔"

نزہت نے روانی کے ساتھ کہا۔ "آپ کا غلام قسم اول یعنی شفقت صاحب آج ان حضرت نے اپنا چاکلیٹ بربری کا سوٹ پہنا۔ اس سرخ رنگ کی بو باندھی سرخ ہی رومال جیب سے جھنکایا۔ غالباً سینٹ کی پوری شیشی سے اپنے کو مہکایا۔ دلیپ کمار کی طرح پیشانی پر بال گرائے۔۔ راج کپور کی طرح چال چلتے ہوئے میرے پاس آ کر بولے۔ "نزہت معاف کرنا۔ تم پھولوں سے کھیل رہی تھیں اور میں خار مغیلاں بن کر یہاں آ گیا ہوں۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "خار بھی نہیں بلکہ خارِ مغیلاں"۔

نزہت نے کہا۔ "اور نہیں تو کیا آپ ان کو کوئی معمولی درجے کا خار سمجھتے ہیں۔ خیر سنئے تو سہی۔ ابھی تو لٹریچر بگھرنا شروع ہوا ہے۔ میں نے یہ سن کر نہایت بے رخی سے کہا۔ کیا مطلب آپ کا تو کہنے لگے میں مطلب پرست نہیں

ہوں۔ تم میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھو میرے لبوں پر مدعا کی جستجو نہ کرو۔

آہ یہ آنکھیں جوان سے جانے کیا کیا کہہ گئیں
ہائے وہ لب جن کا کوئی مدعا ہوتا نہیں

میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "اچھا اچھا یعنی شعر بھی پڑھنے لگے ہیں۔ عزیز القدر۔"

نزہت نے کہا۔ اور صاحب اس تاثر سے انہوں نے یہ شعر پڑھا اور اتنی ٹھنڈی سانسوں کے ساتھ کہ مجھے تو سردی لگنے لگی۔ بہر حال میں نے ان کے حکم کی تعمیل میں ایڑیاں اٹھا کر پنجوں کے بل کھڑے ہونے کے بعد ان کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ اطمینان رکھئے آپ کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہیں تو انہوں نے سچ مچ ان آنکھوں سے آنسو نچوڑنے کی سخت کوشش کے بعد کہا۔ نزہت میرے لئے زندگی کی وہ ساعتیں موت سے زیادہ شدید بن جاتی ہیں۔ جب تم مجھ سے بے اعتنائی برتنے لگتی ہو۔ میں نے ان سے بے اعتنائی کے معنی پوچھے تو پتہ چلا کہ ان کو خود نہیں معلوم اس لئے کہ وہ یہی کہتے رہے کہ میں ان سے کچھ ناراض ہوں۔ میں نے ان کو یقین دلایا کہ حضرت ناراض انسان اس سے ہوتا ہے جس سے راضی رہ چکا ہو کبھی۔"

میں نے کہا۔ "یعنی واقعی اسی صفائی سے آپ نے کہہ دیا۔"

کہنے لگی۔ جی ہاں میں نے ان کو بڑی دلسوزی سے سمجھایا کہ آپ کو یا تو اب غلط فہمی ہوئی ہے یا پہلے کچھ غلط فہمی تھی۔ میں آپ سے ناراض ہو کر یہ

کیوں ثابت کروں گی کہ گویا پہلے کبھی خوش تھی اور اب ناخوش ہوئی ہوں۔ آپ یقین جانئے کہ آپ میرے لئے جیسے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں اور انشاء اللہ میں ہمیشہ آپ کو ویسا ہی سمجھوں گی جیسا اب تک سمجھتی رہی ہوں۔ یہ سن کر بولے اور بڑے ڈرامائی انداز سے بولے۔ تو پھر یہ بے رخی کیوں؟ یہ بیگانگی کیسی؟ یہ بے اعتنائی کیا؟“

میں نے کہا۔ ”یعنی اتنی صاف باتوں کے بعد بھی یہ سوال؟“

نزہت نے کہا: آپ ان حضرت کو کیا ادنی درجے کا احمق سمجھتے ہیں؟ اگر خود ان ہی کا چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈھئے تو بھی ان کا جواب نہ مل سکے گا آپ کو بہرحال میں نے ان سے پھر یہی کہا کہ شفقت صاحب آپ کو نہ جانے کیا وہم ہوگیا ہے صاحب! میں آپ سے اگر کبھی یہ کہہ چکی ہوتی کہ آپ میرے دوست ہیں تو آج بیشک اپ دشمنی کا شکوہ کرنے میں حق بجانب ہوتے اگر میں نے کبھی یگانگت کا دعویٰ کیا ہوتا تو آج آپ بیگانگی کی شکایت کرسکتے تھے۔ یہ سن کر وہ اتفاق سے کچھ سمجھ ہی گئے۔ اور کہنے لگے۔ مجھے خوب معلوم ہے نزہت کہ وہ نمازی ملا میرے اور تمہارے درمیان روز بروز حائل ہوتا جا رہا ہے۔“

میں نے کہا۔ سبحان اللہ!

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

نزہت نے کہا۔ ”جی ہاں! ذرا یہ خوش فہمی ملاحظہ ہو۔ بہرحال میں نے ان سے کہا کہ مولانا کے متعلق آپ کا یہ خیال آپ کے عام خیالات کی طرح خام ہے۔ وہ اس سطح سے بہت اونچے ہیں تو اس نے جل کر کہا کہ اس رنگے ہوئے سیار نے جو ڈھونگ رچایا ہے میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ اس نے میرے متعلق چچا میاں کی رائے بدل دی ہے۔ چچی کی آنکھیں پھر گئی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم بھی مجھ سے دور ہوتی جا رہی ہو؟“

میں نے کہا ”رنگا ہوا سیار تو میں ہرگز نہیں ہوں۔ سادہ سیار کہتے تو ایک بات بھی تھی۔ اپنی رنگینیاں میرے سر کیوں تھوپ رہے ہیں۔“

نزہت نے کہا۔ ”بہرحال میں نے ان سے کہا کہ غالباً آپ مولانا کے مقابلے میں خواہ مخواہ احساس کمتری میں مبتلا ہوگئے ہیں تو صاحب وہ ایک دم پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اکڑ گئے اور ٹائی کا زاویہ درست کرتے ہوئے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ اور ایک سگریٹ سلگا کر بولے کہ اس مولوی میں سوائے اس کے اور کیا برتری ہے کہ چچا میاں نے اس کو بانس پر چڑھا رکھا ہے۔ چچی اس سے نہ جانے کیوں مرعوب ہیں اور تم کو نہ جانے اس میں سرخاب کے کون سے پر نظر آنے لگے ہیں۔ میں نے اس سے سر کھپانا بیکار سمجھ کر چلتے چلتے ایک چرکہ دینے کے لئے کہا۔ بھئی مجھے تو مولانا اچھے لگتے ہیں اور یہ کہہ کر میں وہاں سے رفو چکر ہوگئی اور وہ سگریٹ پیتے رہ گئے۔“

میں نے کہا۔ ”آپ نے اور بھی اس کو میرا دشمن بنا دیا ہے۔ وہ یوں ہی مجھ سے خار کھاتا ہے اب اور بھی میری جان کا گاہک بن جائے گا۔“

نزہت نے کہا ''نہیں نہیں۔ میں آج ہی ڈیڈی سے کہہ کر آپ کی زندگی کا بیمہ کرائے دیتی ہوں۔''

میں نے کہا۔ ''جان کے گاہک سے میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ مجھے اپنی زندگی کا کوئی خطرہ ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں اتنی ہمت تو خیر ہوتی ہی نہیں۔ مگر وہ اپنی حماقت سے مجھے واقعی اپنا حریف سمجھنے لگے گا۔''

نزہت نے کہا۔ ''یہی تو میں بھی چاہتی ہوں اور اب تو جان جان کر اسے جلاؤں گی مجھے تو اُسے پریشان کرنے اور جلانے کا یہ نہایت مجرب نسخہ سوجھ گیا ہے۔ میرے نزدیک یہی اس کی سب سے بڑی سزا ہے۔ یہ دیکھئے یہ میں نے اون منگایا ہے اور اب کل سے آپ کو سوئیٹر بننا شروع کرتی ہوں تاکہ وہ دیکھ دیکھ کر کباب ہو۔''

نزہت ابھی اور جانے کیا کیا باتیں کرتی کہ بیرے نے آکر اطلاع دی کہ صاحب باہر لان پر آگئے ہیں اور آپ دونوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں جج صاحب کے دربار میں حاضری کے لئے چل دیئے۔

(۸)

کالج سے آکر میں نے جج صاحب کو اپنا منتظر پایا وہ برآمدے میں اس طرح ٹہل رہے تھے گویا کچھ متفکر ہوں۔ چہرے پر بیزاری اور چڑچڑاپن برس رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پکارا۔ ''مولانا ادھر تشریف لائیے ذرا۔''

اور جب میں ان کے قریب گیا تو مجھے ساتھ لئے ہوئے اپنے مطالعے کے کمرے میں چلے گئے اور ایک کرسی پر بیٹھ کر دوسری کرسی پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو خوش تو خیر میں کبھی نہ رکھ سکا' نہ نماز کا نہ روزے کا' مگر غالباً مجھ سے کوئی تازہ گناہ ایسا سرزد ہوا ہے کہ اس کی فوری سزا دینے کے لئے مجھ پر ایک عذاب نازل کیا جا رہا ہے۔ اب آپ ہی

اپنی نمازوں میں میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں اس امتحان میں پورا اتروں۔ اور جو بلا میرے سر آ رہی ہے۔ وہ جلد سے جلد ٹل جائے۔“

میں نے واقعی متفکر ہو کر پوچھا۔ ”مگر بات کیا ہے کچھ معلوم تو ہو۔“

عبرت کا مرقع بن کر بولے۔ ”اعجاز میاں کے والد محترم منشی امتیاز علی صاحب کا تار آیا ہے کہ وہ آج تشریف لا رہے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”اچھا پھر!“

کہنے لگے۔ ”پھر کیا۔ پھر یہ ہوگا کہ اس گھر میں اس وقت تک خیریت ناممکن ہے جب تک ان کا قیام رہے۔ کاش آپ کو معلوم ہوتا کہ میری روح اگر کسی سے پرواز کرتی ہے تو وہ یہی حضرت ہیں۔ گو بظاہر ان سے نہایت بے تکلفی کا رشتہ ہے یعنی وہ میرے ہم زلف ہیں مگر الامان والحفیظ‘ خدا دشمن کو بھی ایسا ہم زلف عطا نہ کرے جیسے یہ میرے ہم زلف ہیں۔ ان کی کوئی ایک آدھ خصوصیت ہو تو بیان کروں۔ جاہل مطلق۔ پھر اعلیٰ درجہ کے گھامڑ۔ انتہائی بدتمیز۔ چلتی ہوا سے لڑنے والے۔ زود رنج، میاں ان کا کچھ ٹھیک تھوڑی ہے کہ کب کس بات پر ناراض ہو جائیں۔ کب کس کے سامنے ذلیل کر دیں کب کونسی ایسی بات کہہ دیں کہ سننے والے کا خودکشی کرنے کو جی چاہنے لگے۔ مختصر یہ کہ اس قدر صبر آزما واقع ہوئے ہیں کہ ایک عام انسان میں صبر کی اتنی مقدار تقریباً ناممکن ہے جتنی ان سے نبٹنے کے لئے ضروری ہے۔ مصیبت میرے لئے یہ ہے کہ ان کے صاحبزادے اعجاز میاں یہاں موجود ہیں۔ ورنہ

میں تو ان کا تار پاتے ہی بھاگ جاتا چھٹی لے کر کسی اور شہر۔ مگر اب بندھا ہوا مار کھاؤں گا۔“

میں نے ہنس کر کہا۔ ”آخر ایسی بھی کیا پریشانی اس قسم کے لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا ہی ہے۔“

بڑی تشویش سے بولے۔ ”نہیں صاحب! آپ نہیں جانتے مجھ سے لکھوا لیجئے کہ میری موت خواہ وہ کبھی واقع ہو اس میں ان حضرت کا ہاتھ ضرور ہوگا۔ آپ آج غور سے سارے گھر کو دیکھ لیجئے۔ کل اگر آپ اس گھر کو پہچان جائیں تو جو چور کی سزا وہ میری۔ وہ پان کھائیں گے اور دیواروں اور فرش پر تھوکیں گے۔ اب اگر میں فرش یا دیواریں دھلواتا ہوں تو وہ برا مان جائیں گے کہ گویا میں نے ان کی محبت کی اس نشانی کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کی۔ وہ ڈرائنگ روم میں قالین پر بلکہ کبھی کبھی صوفے پر رکھ کر اپنا سڑا ہوا حقہ پئیں گے اور میں کچھ نہ کہہ سکوں گا۔ پھر یہ حقہ ایک آدھ مرتبہ قالین پر اور اگر انہوں نے مناسب سمجھا تو صوفے پر الٹے گا ضرور اور اس وقت مجھ کو کلیجہ پر پتھر رکھ کر مسکرانا بھی پڑے گا اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ کوئی بات نہیں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ میرے نوکروں کے سامنے پرچ میں انڈیل انڈیل کر چائے پئیں گے اور مجھے اس کا خیال رکھنا پڑے گا کہ میرا کوئی نوکر ہنسنے یا مسکرانے نہ پائے۔ پھر وہ نہایت مہمل قسم کی بے ہودہ باتیں کریں گے اور اگر میری توجہ میں ذرا بھی فرق آیا تو وہ مجھ کو بخیل ہونے کا طعنہ دیں گے اور میری بیوی سے کہیں گے کہ تمہار

یہ شخص اپنے کو آخر سمجھتا کیا ہے اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ بی غریب پر ہر وقت نکلتی ہوتی کہ یہ آخر ہوتے کون ہیں تمہیں اور حق اور اس کے بال کیوں کٹوا دیئے ہیں اور یہ جاہلیت لے کر کیوں نہیں تھی۔"

میں نے کہا۔ "ہاں یہ ہے البتہ ذرا خطرناک بات اس لئے کہ نزہت سے بھی دور ہے کہ وہ سمجھا جاتے اس حرکت کی تقلید پر کیا کہتیں۔"

جج صاحب نے بڑی بے کلی کے ساتھ کہا "ان ہی باتوں پر تو میں بھی غور کر رہا ہوں کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے؟ بہر حال خدا کے لئے آپ نزہت کو تو سمجھا دیجئے انسان پر ہر قسم کے وقت گزر سکتے ہیں اور اسی قسم کے نازک مرحلوں میں سے ایک مرحلہ یہ بھی ہے جب تک یہ حضرت یہاں ہیں وہ ذرا صبر و تحمل سے کام لیتی رہے۔"

میں نے کہا۔ "میں نزہت کو سمجھا دوں گا اس کی طرف سے آپ مطمئن رہیں مگر وہ تشریف کب لا رہے ہیں؟"

جج صاحب نے نہایت بے چارگی کے ساتھ فرمایا "حضرت بس یہ سمجھ لیجئے کہ خبر پھیل رہی ہے فقط اکبر میاں نزہت کی گاڑی لے کر اسٹیشن گئے ہوئے ہیں۔ میں نے اختلاج قلب کا بہانہ کر کے آپ سے یہ باتیں کرنے کا وقت بمشکل نکالا ہے اور اسٹیشن نہیں گیا ہوں۔ عالم یہ ہے کہ اندر آپ کی بچی جل تو جلال تو صاحب کمال تو آئی بلا کو ٹال تو کا وظیفہ پڑھ رہی تھی اور یہاں میرا یہ حال نہ جانے صبح کس کا منہ دیکھ کر اٹھا تھا کہ ان کی

آمد کا یہ تار ملا۔ دیکھئے بھئی شاید گاڑی آگئی۔ میں بستر پر لیٹتا ہوں اپنے کمرے میں ان کو یہیں لے آنا۔"

اور میں نے باہر نکل کر دیکھا کہ اعجاز یہاں اپنے والد محترم کو موٹر سے اتار کر برآمدے کی طرف لا رہے ہیں۔ میں نے بڑھ کر عرض کیا۔ "السلام علیکم ادھر تشریف لے آئیے۔ چچا جان اپنے کمرے میں آپ کا انتظار فرما رہے ہیں۔"

اعجاز صاحب نے تیوریوں پر بل ڈال کر پہلے تو مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورا پھر کہنے لگے۔ "ہاں صاحب بڑے آدمیوں کی بڑی بات ذرا سی دھڑکن ہوئی کہنے لگے اختلاج قلب۔ ذرا سی بیماری کا اتنا بڑا نام اور تم کون ہو؟"

اعجاز نے کہا۔ "ان کو ہم سب مولانا کہتے ہیں۔ ویسے ان کا نام شعیب ہے۔ یہاں کورٹ میں پیشکار ہیں اور چچا جان کے رشتے میں بھتیجے ہوتے ہیں۔ ان کا بھی یہیں قیام ہے۔"

اعجاز صاحب نے پھر سر سے پیر تک میرا جائزہ لے کر بڑی ناگواری سے فرمایا۔ "تو چلو! کدھر ہیں صاحب بہادر۔ تم تو کھڑے میرا منہ تک رہے ہو۔"

میں نے استدعا کرتے ہوئے عرض کیا۔ "اس کمرے میں تشریف لے چلیں۔" اور بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

امتیاز صاحب بڑبڑاتے ہوئے چلے۔ ''ایک دروازہ جالی کا دوسرا شیشے کا۔ دوہرے دوہرے دروازے لگوار کھے ہیں احمق بنانے کو۔''

جج صاحب نے ان کو دیکھتے ہی اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ السلام علیکم بھائی صاحب!''

اور پھر اٹھ کر گلے لگتے ہوئے کہا۔ ''بھائی صاحب! معاف کیجئے گا کہ میں اسٹیشن حاضر نہ ہوسکا اختلاج کی وجہ سے۔''

امتیاز صاحب نے اپنے بدستور کڑے تیوروں سے فرمایا۔ ''میاں کون جاتا ہے اپنے غریب رشتہ داروں کو اسٹیشن لینے۔ وہ تو کہو میرا لڑکا یہاں موجود تھا نہیں تو ٹکریں کھاتا پھرتا جانے کہاں کہاں۔ تو ہوا کیا ہے تم کو؟''

جج صاحب نے فرمایا۔ ''بھائی صاحب! وہی اختلاج کا پرانا مرض۔''

اور اتنے میں چچی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ ''بھائی صاحب تسلیم!''

امتیاز صاحب نے کھرے پن سے جواب دیا۔ ''جیتی رہو۔ اچھی تو رہیں اور وہ کیسی ہے نزیا؟''

یہ گویا نزہت کی خرابی تھی۔ چچی نے بھی جواب میں ان کی بیوی یعنی اپنی باجی کو اور ان کی صاحبزادی شکو یعنی شکیلہ کو پوچھ ڈالا تو انہوں نے نہایت جلے کٹے انداز میں جواب دیا:۔

''بابا! سب ٹھیک ہیں زندہ ہیں اور جبتک کی زندگی لکھالائے ہیں زندہ رہیں گے، ہم غریبوں کے یہاں اسی کو خیریت کہتے ہیں۔ وہ بھی کہہ رہی تھیں آنے کو، تو میں نے کہا کہ غریب کی بھی عزت ہوتی ہے۔ تم کیوں ان کے گھر جاؤ، جو خود تمہارے گھر آنے میں اپنی بے عزتی سمجھیں۔''

چچی نے کہا۔ ''واہ بھائی صاحب! مجھے کب عذر رہا ہے آپ کے گھر جانے میں۔ اور اللہ نہ کرے میرا دماغ خراب ہوجائے کہ میں یہ باتیں اپنے ذہن میں لاؤں، ایسا ہی ہے تو چلئے میں آپ کے ساتھ واپسی میں چلوں گی، آپ کے گھر۔''

جج صاحب نے بات ٹالنے کے لئے کہا ''بھئی پہلے بھائی صاحب سے کہو۔ غسل خانے جاکر ہاتھ منہ دھولیں۔ پھر کچھ ناشتہ منگاؤ، باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔''

ان حضرت نے کہا۔ ''اجی غسل خانے جاکر میں اپنی عادت کیوں خراب کروں؟ لوٹے میں پانی منگادو۔ یہیں برآمدے میں منہ دھوئے لیتا ہوں اور ناشتہ واشتہ نہیں بس اکٹھا روٹی کھائیں گے۔ اب تو مگر خدا نہ کرائے تھرڈ کلاس میں سفر بھرتہ بن کر رہ جاتا ہے آدمی۔''

چچی نے کہا۔ ''تھوڑا بہت ناشتہ کر کے آپ ذرا آرام کرلیں تو تھکن دور ہوجائے گی میں تو کہتی ہوں نہالیں آپ تازہ ہوجائیں گے۔''

امتیاز صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''بابا اپنا نہانا تو جمعہ سے ادھر اُدھر نہیں ہوتا۔ ارے بھائی وہ نزیا نظر نہیں آئی۔''

جج صاحب نے مجھ سے کہا کہ نزہت کو بلاؤں، چنانچہ میں جج صاحب کے کمرے سے نکل کر نزہت کے کمرے کی طرف چلا کہ اس کو اپنے خالو سے ملنے کے لئے ضروری ہدایات دے کر اور مناسب تلقین کر کے لے آؤں، مگر صاحب واقعی عجیب وغریب بزرگ ہیں یہ تو۔"

(۹)

رات کو کھانے کی میز پر امتیاز صاحب نے مرغ کا ڈونگا اپنی طرف گھسیٹ کر اس میں نوالہ ڈبوتے ہوئے مجھ سے فرمایا۔ "تو پروفیسر ہو تم۔ خدا کی شان ہے کہ اب ایسے ہونے لگے ہیں پروفیسر۔ ہم نے تو دیکھا ہے پروفیسر رام مورتی کو۔ جب وہ اپنا سرکس لے کر ہمارے شہر میں آیا تھا۔ موٹر وہ روک لے۔ ہاتھی کو اپنی چھاتی پر وہ کھڑا کر لے۔ سولہ آدمیوں سے بھرا ہوا چھکڑا وہ اپنے اوپر سے گذار دے۔"

جج صاحب نے کہا۔ "بھائی صاحب یہ اس قسم کے پروفیسر نہیں ہیں"

ان حضرت نے بات کاٹ کر کہا۔ "ہاں ہاں میں جانتا ہوں پروفیسر معشوق علی اب تک موجود ہیں۔ ہاتھ کی صفائی ہے ان کے ہر شعبدے میں کہ

رنگین کاغذ کھا گئے اور پھر کاغذ کے رنگین پھول تھوکنا شروع کر دیئے۔ ٹوپ کے نیچے انڈا بند کیا اور پھر جو ٹوپ ہٹایا تو پھڑ پھڑاتا ہوا کبوتر موجود۔ اپنی جیب میں گولہ رکھے اور آپ کی جیب سے نکال دے۔ آپ کی انگوٹھی آپ سے لے کر ہوا میں اچھال دے پھر وہی انگوٹھی امرود کاٹ کر اس میں سے نکال دے۔ یہ سب ہاتھ کی صفائی ہے۔ جادو وادو کچھ نہیں۔"

چچی نے کہا۔ "بھائی صاحب یہ تو کالج میں پروفیسر ہیں۔ خود ایم۔ ایس۔ سی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت معقول تنخواہ پاتے ہیں۔"

امتیاز صاحب نے مرغ کی ٹانگ کی ہڈی میز کے نیچے پھینکتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو پھر یہ کچھ اور ہوں گے مگر پروفیسر معشوق علی کے پاس بھی بہت سے تمغے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ سناؤں کہ میں نے ان کا ایک کرتب پکڑ لیا۔ بس جناب وہ تو میرے قدموں پر گر پڑا کہ منشی جی نے یہ میرے پیٹ کا دھندا ہے۔ آپ سمجھ گئے ہیں تو چپ ہو رہیں۔ تو یہ کس قسم کے پروفیسر ہیں۔"

اعجاز نے باپ کی حماقت کا سلسلہ ختم کرنے کو کہا۔ "ابا جان! یہ کالج میں پڑھاتے ہیں۔ یہ علمی آدمی ہیں۔"

امتیاز صاحب نے پلاؤ کی ڈش اپنے آگے کھسکاتے ہوئے کہا۔ "تو استاد کہو۔ کہنے لگے پروفیسر۔"

بیرا مرغ کے ڈونگے کی طرح پلاؤ کو ڈش کو خطرے میں دیکھ کر پلیٹ آگے کھسکانے کو بڑھا۔ تو جج صاحب نے اس کو آنکھ کے اشارے سے گھورا۔

مگر خود امتیاز صاحب بیرے کا مقصد سمجھ چکے تھے۔ چنانچہ پلیٹ علیحدہ رکھتے ہوئے بولے۔ جی نہیں میں اچھوتوں کی طرح الگ نکال کر کھانے کا قائل نہیں ہوں۔ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم نوالہ ہم پیالہ رہتے ہیں لیجئے پروفیسر صاحب آپ بھی اسی میں کھایئے۔"

میں نے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی پلیٹ چھوڑ کر ان کے ساتھ ڈش میں شریک ہو گیا پھر انہوں اعجاز کو بھی اس ڈش میں شریک کر لیا۔ نزہت غالباً اسی مصلحت کی بنا پر ان سے دور بیٹھی تھی۔ مگر لطف تو اس وقت آیا ہے جب امتیاز صاحب بیٹھے بٹھائے خواہ مخواہ شفقت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "ذرا ان کو دیکھئے اوزاروں سے کھانا کھاتے ہیں۔ بخدا میں اگر کھاؤں اس طرح، منہ زخمی ہو جائے، کوئی پوچھے کھانے کا خاک لطف آتا ہو گا۔ صاحب اپنا تو عقیدہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ انسان کو کھانے میں بے تکلف ہونا چاہئے۔ آج تو خیر میں اس میز کرسی کے جھگڑے میں پھنس گیا ہوں۔ مگر کل سے میرے لئے فرشی دستر خوان بچھے گا۔ اور سچ پوچھئے تو مزا آتا ہے۔ باورچی خانے میں پیڑھی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا کہ گرم گرم روٹی توے سے اترتی جاتی ہے اور کھاتے جاتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو آتا نہیں یہ کوٹ پتلون میں اپنے کو جکڑ کر اور کسی پر اپنے کو ٹانگ کر کھانا کھانا۔ پیٹ پر تو کسی ہوتی ہے پیٹی بھلا کھانا جائے تو کیسے جائے پیٹ میں اور ان صاحبزادے کو دیکھئے اعجاز میاں کو ان کا بھی دماغ یہاں آ کر خراب ہو گیا ہے جب ہی تو بوٹی نہیں چڑھتی ہے۔

جسم پر اُن کی عمر میں اپنا تو یہ حال تھا کہ چٹان کی چٹان سینہ تھا۔ پاؤ ڈیڑھ پاؤ گھی تین چار سیر دودھ میں ملا کر تو شغل کی طرح غٹا غٹ پی جاتے تھے اب پیتے ہیں یہ لوگ چائے جس سے ہڈیوں کا گودا پگھلتا ہے اور یہ جو ہمارے برادر عزیز اختلاج کا طوطا پالے بیٹھے ہیں۔ یہ سب اسی چائے کی برکت ہے۔ بھئی دیکھو! خانساماں مجھے تو تم سویرے چائے لا کے دینا نہیں۔ دو تین گلاس دہی کی ذرا گاڑھی لسی کے پی لوں گا۔ یہ چائے میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ صاحبزادے تم نے بھی یہاں چائے کی عادت ڈال لی ہوگی؟‘‘

اعجاز نے کہا۔ ’’جی ہاں! میں تو چائے پیتا ہوں۔‘‘

امتیاز صاحب نے قطعی فیصلہ کر دیا۔ ’’بس تو ہماری عمر کو پہنچے تو الگنی پر ڈالنے کے قابل ہو جاؤ گے۔‘‘

جج صاحب نے پوڈنگ بڑھاتے ہوئے کہا۔ بھائی صاحب یہ پوڈنگ تو آپ نے چکھی ہی نہیں۔‘‘

امتیاز صاحب نے پوڈنگ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ’’لو بھلا میں اسے سجاوٹ کی کوئی چیز سمجھا تھا۔

اور یہ کہہ کر روٹی سے پوڈنگ کھانا ہی چاہتے تھے کہ نزہت میز سے اٹھ کر بھاگی باہر تو امتیاز صاحب نے چونک کر کہا۔ کیا ہوا؟ یہ نزیا کہاں گئی ایک دم سے؟ چچی نے کہا۔ ’’چھینک آ رہی تھی شاید ابھی آتی ہے۔‘‘

اور اعجاز نے جلدی سے پڈنگ طشتری میں نکال کر معہ چمچے کے ان کے سامنے بڑھا دی مگر انہوں نے چمچہ ایک طرف کھسکا کر روٹی ہی سے پڈنگ ختم کرتے ہوئے کہا۔ ’’یہ تو ایک قسم کی کھیر ہوئی میں بھی کہوں کہ جانے یہ کونسا گریجوہٹ کھانا ہے۔ جس کا اتنا بڑا انگریزی نام لے کر مجھ کو خواہ مخواہ ڈرا دیا گیا تھا۔‘‘

اور یہ کہہ کر ایک نہایت خوفناک ڈکار لیتے ہوئے وہ میز سے اٹھ گئے اور اپنے گلے میں پڑے ہوئے چاندی کے خلال سے دانت کریدتے رہے۔ میں ہاتھ دھو کر سیدھا نزہت کی تلاش میں اس کے کمرے میں جو پہنچا تو وہ مجھ کو دیکھ کر پھر ایک دم کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ ’’میں نے کہا۔ ’’واقعی بڑا مشکل کام ہے آپ کے ان خالو کے پاس بیٹھ کر اپنے کو قابو میں رکھنا۔‘‘

نزہت نے ہنسی پر عارضی سا قابو پا کر پھولی ہوئی سانسوں سے کہا۔ ’’روٹی سے پڈنگ‘‘۔ اور پھر ہنستے ہنستے لوٹ گئی۔ ابھی اس کا دورہ ختم نہ ہونے پایا تھا کہ چچی بھی تشریف لے آئیں اور نزہت کو اس طرح ہنستے ہوئے دیکھ کر خود بھی ہنس دیں۔ اللہ بچائے بھائی صاحب بھی سچ مچ کوئی کہاں تک ہنسی روکے۔ مگر مولانا تم نے بھی کمال کر دیا کہ اپنی پلیٹ چھوڑ کر ان کے ساتھ ڈش ہی میں پلاؤ شروع کر دیا۔‘‘

میں نے کہا۔ چچی ایک تو ان کا حکم تھا۔ دوسرے اگر یہ نہ کرتا تو مرغ کی طرح پلاؤ سے بھی محروم رہتا۔‘‘

جج صاحب بھی ہم لوگوں کو ڈھونڈتے ہوئے یہیں آ گئے اور آتے ہی

مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”دیکھ لیا مولانا آپ نے۔ سچ کہیے گا۔ پہلے بھی کبھی دیکھا تھا ایسا جانور۔“

چچی نے کہا۔ ”توبہ ہے چپ بھی رہو اور جو وہ سن لیں تو۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”جی نہیں وہ اپنے برخوردار کو لے کر اپنے معدے کو ٹہلانے گئے ہیں باہر۔ اللہ جانے واپسی کا ارادہ کب تک ہے۔“

چچی نے کہا۔ ”سو ابھی سے مجھے تو کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اب کی ذرا اطمینان سے ٹھہرنے کا ارادہ ہے بیٹے سے کچھ دھوبی دولی کی باتیں کر رہے تھے۔ بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ اصرار کر کے باجی کو بلوا لیں۔

جج صاحب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”بھئی خدا نہ کرے۔“

میں نے کہا۔ ”ایک بات ضرور ہے کہ جب سے یہ بزرگ محترم تشریف لائے ہیں۔ آپ کی زبان پر بار بار خدا کا نام آجاتا ہے اور چچی بھی اللہ بچائے اور توبہ ہے کس قسم کی باتیں کرنے لگی ہیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”یہ تو ہے ہی۔

مصیبت کے زمانے میں خدا ہی یاد آتا ہے

”آپ میری ذہنی کوفت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مولانا اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو آپ نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے اب مثلاً کل سے فرشی دسترخوان کی دھمکی تو وہ دے ہی چکے ہیں۔ اسی قسم کے بہت سے انقلاب ہم پر گذریں گے اور اس کے باوجود یہ حضرت ہم سے خوش نہیں رہ سکتے۔ واپسی ہوگی لڑ کر ہی۔“

نزہت نے کہا۔ ”ڈیڈی! مجھ کو تھوڑے دنوں کے لئے کہیں بھیج دیجئے۔“

جج صاحب نے بڑی کس مپرسی کے عالم میں کہا۔ ”ڈارلنگ! اس مصیبت میں کیا تم بھی مجھ کو چھوڑ دینا چاہتی ہو؟“

چچی نے کہا۔ ”نہیں، میں ان بچوں کو کل سے علیحدہ کھانا دوں گی۔ یہ کیوں ہمارے ساتھ اس عذاب میں مبتلا رہیں۔ آج ہی کھانے پر بے بی کو ہنسی آ گئی تھی۔ وہ دیکھ لیتے تو قیامت آ جاتی۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”ذرا کچن تک جا کر دیکھو۔ تمام نوکر ہنسی اڑا رہے ہیں اور یہ سب نوکر یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ہمارے صاحب کی اصلیت یہ ہے جو یہاں بڑے جج صاحب بنے بیٹھے ہیں۔“

باہر سے امتیاز صاحب کے کھنکارنے کی آواز جو آئی تو سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا اور سب تتر بتر ہو گئے۔

(۱۰)

ایک طرف تو نزہت کے خالو کی صورت میں ایک قہر الٰہی اس گھر پر نازل تھا۔ دوسری طرف شفقت تو واقعی میری جان کا گاہک بنا ہوا تھا۔ ایسی قہر آلود نظروں سے مجھ کو دیکھتا تھا کہ جیسے کھا ہی تو جائے گا۔ اور اس کو واقعی جلنا بھی چاہئے تھا۔ اس لئے کہ نزہت نے کچھ ضرورت سے زیادہ میرا خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ ہر چند کہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ شفقت صاحب کو زیادہ سے زیادہ جلائے۔ مگر اسی بہانے میرے وہ ناز و نعم ہو رہے تھے کہ میں یقیناً ان کا مستحق نہ تھا۔ مثلاً میرے کالج جاتے ہی وہ میرے کمرے کی صفائی کا اہتمام شروع کر دیتی تھی اور وہ بھی اس دھوم دھام کے ساتھ کہ شفقت کو کسی طرح خبر ہو جائے۔ کسی نوکر سے کہہ رہی ہے کہ مولانا کے کمرہ میں تازہ پھول لا کر لگاؤ

گلدانوں میں کسی کو حکم دیا جا رہا ہے کہ مولانا کے کپڑوں پر فوراً استری کرو۔ خود بھی کبھی میری کتابیں صاف کر کے قرینے سے رکھ رہی ہے۔ کبھی خاص اپنی نگرانی میں جمعدار سے کمرے کے قالین صاف کرا رہی ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ جب دیکھئے اس کے ہاتھ میں اون کا گچھا ہے۔ سویٹر بننے میں مصروف ہے۔ اس سویٹر کا اس نے ایسا ڈھنڈورہ پیٹا تھا کہ شفقت تو شفقت اب سب ہی کو معلوم تھا کہ سویٹر اس انہماک سے میرے لئے بنا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں جج صاحب تک مجھ کو مبارکباد دے چکے تھے کہ بھئی تم قسمت کے بڑے دھنی ہو کہ بے بی تمہارے لئے سویٹر بن رہی ہے جس نے کبھی اپنے باپ کو بھی دو بالشت کی ٹائی بن کر نہیں دی۔ چچی کو بھی حیرت تھی کہ نزہت کو یہ کیا انقلاب آ گیا ہے۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ یہ حبِ علی نہیں ہے بلکہ صرف بغضِ معاویہ ہے۔

ایک دن جو میں کالج سے واپس آیا۔ تو نزہت نے مجھ کو یہ کہہ کر چونکا دیا کہ مولانا مجھے نماز سکھا دیجئے۔

میں نے اپنی سماعت پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے کہا۔ ”جو کچھ میں نے سنا ہے وہی کہہ رہی ہیں نا آپ؟ کہ میں آپ کو نماز سکھا دوں۔“

اس نے کہا۔ ”ہاں ہاں! کہہ تو رہی ہوں کہ آپ مجھے نماز سکھا دیجئے۔ میں اب پابندی سے نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔“

میں نے واقعی خوش ہو کر کہا۔ ”بڑی خوشی کی بات ہے مگر مجھے سمجھا تو دیجئے کہ نماز کا ایک دم سے ارادہ کیونکر ہو گیا؟ کوئی خواب دیکھا ہے آپ نے

یا کسی خاص واقعہ سے متاثر ہو کر یہ نیک ارادہ فرمایا ہے۔ آخر قصہ کیا ہے؟''

نزہت نے کہا۔ '' آپ کو کیا معلوم کہ مجھ کو نماز پڑھتا دیکھ کر شفقت کے کلیجے پر کیسے کیسے سانپ لوٹیں گے اور اپنی ہی آگ میں کیسا کیسا بھنے گا کہ آپ کا مجھ پر یہاں تک اثر پڑ گیا کہ میں نماز بھی پڑھنے لگی۔''

میں جتنا خوش ہوا تھا اتنا ہی سنجیدہ بن گیا۔ '' میری رائے یہ ہے کہ نماز کو آپ اس سلسلے میں استعمال نہ کریں۔ محض شفقت کو جلانے کے لئے آپ جو کچھ کر رہی ہیں وہ کافی سے زیادہ ہے۔ رہ گئی نماز جب کبھی پڑھئے۔ خدا کے لئے پڑھئے گا اور اپنا فرض سمجھ کر پڑھئے گا۔''

نزہت نے برجستگی سے کہا۔ '' اور فرض کر لیجئے کہ میں شیطان کو ناخوش کرنا چاہوں نماز پڑھ کر تو ____ ؟''

میں نے کہا۔ شیطان سے آپ کی مراد اگر شفقت ہے تو یہ غلط ہے۔ ویسے نماز پڑھنا تو ہر حال میں بہتر ہے مگر نماز کا اصل مقصد بھول کر اس مقصد کے لئے نماز پڑھنا نماز کی مقصدیت کے خلاف ہے۔ اس کام کے لئے تو آپ بس یہ سویٹر بنتی رہیں۔''

اسی وقت بیرے نے لا کر مجھے ایک پارسل دیا۔ میں نے رسید پر دستخط کر کے حیرت سے پارسل کھولا کہ یہ کیا ہو سکتا ہے۔ پارسل میں دو نہایت خوبصورت ٹائیاں تھیں اور ایک خط۔

'' میرے پیارے بھائی جان! خدا کرے یہ سالگرہ کا تحفہ آپ کو سالگرہ ہی کے دن ملے اور خدا یہ دن رہتی دنیا تک آپ کے لئے لائے۔''

ستارہ

میں نے کہا۔ '' او ہو! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ آج میری سالگرہ ہے۔ یہ تو شریر ستارہ نے یاد دلایا۔''

نزہت نے کہا۔ '' کمال کر دیا آپ نے یعنی ہم سے سالگرہ چھپائے رہے۔ تاکہ ہم سالگرہ کا تحفہ بھی نہ دے سکیں۔''

میں نے کہا۔ '' مجھے خود بھی یاد نہ تھا۔ دوسرے تحفے کا تو میں قائل ہی نہیں ہوں۔ یہ ستارہ تو دراصل تحفہ بوتی ہے۔ میری سالگرہ کے موقع پر اس قسم کا تحفہ دے کر اپنی سالگرہ کے موقع پر مجھ سے نہایت قیمتی تحفے کی وصولیابی کا اس طرح بندوبست کر لیتی ہے۔''

نزہت نے جاتے ہوئے کہا۔ '' ہاں ہاں تو یہ تخم ریزی میں بھی کیوں نہ کروں؟''

میں اس کو پکارتا ہی رہ گیا مگر وہ جلدی اور تھوڑی ہی دیر میں دیکھتا کیا ہوں کہ چچی بھی چلی آ رہی ہیں۔ میرے کمرے میں اور جج صاحب بھی آ موجود ہوئے۔ جج صاحب نے آتے ہی سالگرہ کی مبارکباد دے کر کہا۔ '' چلو آج اسی بہانے ذرا پُر تکلف چائے تو مل جائے گی۔''

چچی نے کہا۔ '' مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو ان کے کالج سے ان کے ایک آدھ دوست کو بھی بلوا لیتی چائے یا کھانے پر۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''خاک بلوالیتیں آپ۔ سب کے بجائے آپ لے بھائی صاحب جو موجود ہیں۔ خدا کرے چائے کے وقت تک واپس نہ آئیں ورنہ کسے خبر کہ وہ اس رنگ میں کیا بھنگ ڈال دیں۔''

میں نے کہا۔ '' آپ بھی خواہ مخواہ نزہت کی باتوں میں آ گئے بھلا سالگرہ بھی کوئی تقریب ہے۔ میری سمجھ میں تو یہی نہیں آتا کہ زندگی کا ایک سال کم ہونے کی لوگ خوشی کیوں مناتے ہیں؟''

چچی نے کہا۔ ''لو اور سنو۔ یہ زندگی میں ایک سال کم ہونا کیسے ہو گیا؟''

جج صاحب نے بیوی کو چھیڑا۔ ''تمہارے جسم کے ساتھ عقل بھی غالباً کچھ موٹی ہو گئی ہے یا بہنوئی کی صحبت کا یہ فیض ہے؟ بھئی ایک سال کم ہی ہوتا ہے ٹھیک تو کہہ رہے ہیں مولانا۔''

میں نے پوچھا۔ ''اور یہ نزہت کہاں رہ گئیں۔''

جج صاحب نے کہا وہ اب ہو گی مال روڈ کی کسی دوکان پر نہ جانے تحفے کے طور پر کیا بٹور لائے۔''

میں نے کہا۔ ''لاحول ولاقوۃ اس شریر ستارہ نے اتنے دور بیٹھے بیٹھے یہ پھلجھڑی چھوڑ دی۔ بھلا تحفے کے تکلف کی کیا ضرورت تھی خواہ مخواہ۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''نہیں۔ خیر یہ تو ہونا چاہئے تھا۔ افسوس صرف یہ ہے کہ نوٹس بہت مختصر ملا ہے۔''

چچی نے کہا۔ ''اور اب اس کو یہاں بیٹھ کر باتیں بنانے میں اور بھی مختصر کر

رہے ہیں وہ جن لڑکیوں کے نام بتا گئی ہے۔ کم سے کم ان کو ٹیلیفون ہی کر لیجئے۔''

میں نے اب پھر منع کیا کہ اس مذاق کو مزید طول نہ دیا جائے مگر میری ایک نہ سنی گئی اور دو گھنٹے کے بعد جج صاحب کی کوٹھی کے سبزہ پار پر ایک باقاعدہ چھوٹی سی تقریب منعقد ہو گئی جس میں نزہت کی کچھ سہیلیاں بھی شامل تھیں۔ شفقت صاحب بھی آتش فشاں بنے بیٹھے تھے اور شکر ہے کہ جج صاحب کی یہ دعا بھی قبول ہو گئی تھی کہ امتیاز صاحب مع اپنے صاحبزادے کے غائب تھے۔ نزہت نے برتھ ڈے کیک تک کا انتظام کیا تھا اور تحفوں کی میز پر جج صاحب کی طرف سے ایک قیمتی قلم، چچی کی طرف سے بجلی کا سیفٹی ریزر۔ نزہت کی سہیلی میری کی طرف سے کتابوں کا ایک پیکٹ۔ ایک دوسری سہیلی عذرا کی طرف سے ایک گلدان، تیسری سہیلی ناہید کی طرف سے ٹیبل لیمپ، شفقت صاحب کی طرف سے ایک تسبیح اور خود نزہت کی طرف سے ایک ٹرے میں رکھی ہوئی ایک ٹائم پیس اور ایک چائے کی کیتلی میں نے اپنی جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے پوچھا:

''اور باقی تحفے تو سمجھ میں آ گئے۔ مگر نزہت کا تحفہ میرے لئے ایک معمہ بنا ہوا ہے۔''

نزہت نے کہا۔ ''جناب یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ خصوصاً آپ ایسے نمازی پرہیزگار شب بیدار اور سحر خیز کے لئے۔ یہ دیکھئے یہ الارم والی ٹائم پیس ہے جس وقت صبح اٹھنا ہو وقت لگا کر اور یہ بجلی کا شو پلگ میں لگا کر سو رہیے۔

اب مثلاً آپ کو چار بجے اٹھنا ہو اور چار ہی بجے پر آپ نے گھڑی لگائی ہے۔ یہ اپنا کام چار بجنے میں دس منٹ پر شروع کر دے گی اور ٹھیک چار بجے جب الارم بجے گا۔ آپ کو اس کیتلی میں گرما گرم چائے بھی تیار ملے گی تا کہ آپ ہڈئی بھی لے سکیں۔"

میرے علاوہ اس تحفے کو سب ہی نے پسند کیا۔ اصل قصہ یہ تھا کہ یہ سب روپے کا کھیل تھا۔ ذرا سا بہانہ مل گیا اور یہ محترمہ جا کر سینکڑوں روپے صرف کر آئیں میں ابھی یہی غور کر رہا تھا کہ یہ نہ جانے کس قیمت کی چیز ہو گی کہ جج صاحب نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے فرمایا۔

"میری دلچسپی کا مرکز ان میں سے کوئی تحفہ نہیں۔ صرف چائے اور اس کے ساتھ کی دوسری چیزوں کے علاوہ یہ کیک ہے۔ لہٰذا اب اگر آپ سب اس طرف متوجہ ہو جاتے تو مجھ پر احسان ہوتا۔"

نزہت نے میرے ہاتھ میں چھری دے کر کہا۔ "لیجیے نا آپ کیک کاٹیے تا کہ چائے شروع ہو سکے۔ لیجیے یہ موم بتیاں بجھا کر کیک کاٹیے۔"

میں نے کیک جیسے ہی کاٹا سب نے تالیاں بجا کر گویا اس تقریب کی تکمیل پر اظہار مسرت کیا اور پھر چائے کا دور شروع ہو گیا۔ اس پر تکلف چائے کے بعد بھی کافی ہنگامہ رہا۔ مثلاً ناہید سے زبردستی کا گانا سنا گیا۔ میری نے منظور نہ کیا۔ ورنہ اس کا ناچ بھی ہوتا۔ مختصر یہ کہ بڑی دلچسپ رہی یہ پارٹی۔"

(۱۱)

اب اس کو خواہ شامت اعمال کہہ لیجیے یا میری بد نصیبی کی انتہا کہ منشی امتیاز علی صاحب زبردستی میرے دوست بن کر رہ گئے۔ غالباً یہ دیکھ کر کہ یہاں صرف یہی ایک شخص ہے جو نماز پڑھ لیتا ہے انہوں نے میرے متعلق یہ رائے قائم کر لی کہ میں کچھ پرانے خیالات کا آدمی ہوں اور میں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ ان کے اس حسن ظن کی تردید نہ کروں۔ چنانچہ جب دیکھیے وہ مع اپنے حقے کے دھرے ہوئے ہیں۔ میرے کمرے میں اور مصروف ہیں میرا دماغ تناول فرمانے میں۔ بے ڈھنگی اور بے سروپا باتیں کرنا اس شخص کا فن تھا۔ مگر ان حضرت کو بھی میرا ایسا اپنا معتقد شاید ہی کبھی ملا ہو بات یہ ہے کہ جج صاحب سے ان حضرت کا حدود اربعہ معلوم کر لینے کے بعد میں نے یہی طے کیا تھا کہ ان حضرت سے کبھی الجھنے کی کوشش نہ کروں گا۔ وہ

اگر دن کو رات کہیں گے تو میں تارے تک گن کر دکھا دوں گا۔ وہ اگر رات کو دن کہیں گے تو میں چاند کو سورج ثابت کر کے ان کی تائید کر گزروں گا۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں خواہ مخواہ ان سے الجھ کر اپنی شامت کو خود دعوت دینے بیٹھ جاؤں۔ خیر! اس طریقہ کار سے وہ شامت تو ٹل گئی۔ مگر اب اس شامت سے مفر نہ تھی کہ وہ بس مجھ سے چپک کر رہ گئے تھے۔ نہ میں پڑھنے کا رہا تھا نہ لکھنے کا بلکہ ان کی باتیں سن سن کر دماغ میں اس تیزی سے بھوسہ بھر رہا تھا کہ اپنے تخمینے کے مطابق مجھ کو تین مہینے کے بعد پاگل خانے میں ضرور ہونا چاہئے تھا۔ نزہت سے لے کر جج صاحب تک سب ہی حیران تھے کہ میں نے آخر منشی جی پر جادو کیا کر دیا ہے کہ وہ تو جیسے میرے گرویدہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ چنانچہ منشی جی کا قول تھا کہ "ہیرا آدمی ہیں مولانا' جواب نہیں ہے ان کا۔ باقی تو اس گھر میں بس اللہ کا فضل ہے۔"

کالج سے واپسی پر منشی جی مجھ کو کوٹھی کے پھاٹک کی طرف نشانہ باندھے ہوئے ملتے تھے۔ اس لئے کہ ان کا واحد شکار میں تھا۔ مجھے دیکھا اور اپنا حقہ اٹھا کر میرے کمرے میں آ گئے۔ اب بیٹھے جج صاحب پر دانت پیس رہے ہیں۔ ان کی زندگی کے اسلوب کی ہنسی اڑا رہے ہیں۔ ان کی بیوی کے دماغ کی خرابی کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ نزہت پر تنقید ہو رہی ہے اور ان میں سے ہر معاملہ میں گویا میں ان کا ہم خیال ہوں۔ مثلاً کہنے لگے۔

بھئی! کمال کرتے ہو مولانا تم کہ اس گھر میں رہ رہے ہو۔ تمہاری قسم! مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی انگریزی اسپتال میں داخل ہو گیا ہوں۔ ایک دفعہ پیر میں ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ اس میں شگاف دلوانے اسپتال چلا گیا تھا۔ بھئی اللہ جانتا ہے آپریشن کرنے والی میز پر میں نے اتنے اوزار نہیں دیکھے جتنے مجھ کو اس گھر میں کھانے کی میز پر نظر آتے ہیں۔"

عرض کیا۔ "کچھ پوچھئے نہیں۔ حالانکہ جو مزہ ہاتھ سے کھانے میں آتا ہے وہ قیامت تک چھری کانٹے سے نہیں آ سکتا۔"

کہنے لگے۔ "اجی توبہ کرو۔ تیچے سے کھا کر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دوا پی لی"

عرض کیا۔ "کیا عرض کروں۔ کیسا کیسا دل چاہتا ہے کہ اپنے طریقے پر چاولوں میں دال ڈال اسے ہاتھ سے خوب ملائیں۔ کبھی تھوڑا سا اچار ملا لیا کبھی تھوڑی سی چٹنی اور پانچوں انگلیوں کی مدد سے ایک سڈول سا نوالہ بنا کر منہ میں لے گئے پھر انگلیاں مزے سے چٹاچٹ چاٹ لیں۔ پھر ایک انگلی چٹنی کی لی۔ تھوڑا سا اچار چکھا۔"

منشی جی نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اور کیا مزہ اسی میں ہے یہ کیا کہ صاحب جکڑے ہوئے بیٹھے اوزاروں سے کھانا اس طرح کھا رہے ہیں جیسے کھانا خود ان کو کھا رہا ہو۔ یہاں! تم ہی بتاؤ اس طرح کھانا کھانے میں اور ٹائپ کرنے میں کیا فرق ہے؟"

میں نے کہا۔ "درست فرمایا آپ نے بڑی اچھی مثال دی ہے

صاحب ہم تو ترس گئے اپنے طریقہ پر کھانا کھانے کے لئے۔

کہنے لگے۔ ''اور ایک کھانے پر کیا ہے حقہ اگر ساتھ نہ لاتا تو مارا گیا تھا اس پردیس میں۔ تم حقہ نہیں پیتے مولانا؟''

میں نے ندامت سے کہا۔ ''جی ہاں محروم ہوں اس نعمت سے مگر میں تو سگریٹ بھی نہیں پیتا۔ اگر تمبا کو پیتا ہوتا تو یقیناً حقہ ہی پیتا۔ سگریٹ سے تو صاحب مجھے بھی الجھن ہوتی ہے اور وہ پائپ تو خدا نہ پلوائے جو جج صاحب پیتے ہیں۔''

کہنے لگے: ۔ میاں وہ پائپ بھی کیا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ ایک قسم کا گونگا حقہ ہے تم نے دیکھا ہوگا ہمارے یہاں ذرا چھوٹے درجے کے لوگ حقے پر سے چلم اتار کر پی لیا کرتے ہیں۔ میں تو اس پائپ کو بھی وہی چلم سمجھتا ہوں۔''

میں نے فوراً تائید کی۔ ''بجا ارشاد ہوا بالکل وہی چیز ہے اور اس قدر بدبودار تمباکو اس میں پیتے ہیں کہ توبہ توبہ۔''

منشی جی نے کہا۔ ''بھیا! یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ لونڈیا ہے۔ اس کا ناس مارا جا رہا ہے۔ کوئی پوچھے کہ لڑکی ذات پرایا دھن اس کو جو تم میم بناتے چلے جا رہے ہو تو کس گھر میں اس کا گذر ہوگا؟''

میں نے تعجب سے کہا۔ ''ہاں صاحب یہ بات واقعی غور کرنے والی ہے کہ نزہت بی بی کا آخر کیا ہوگا۔ گلاب جامن کی جگہ جو کلیٹ وہ کھائیں۔ گڑیوں کی جگہ بیڈمنٹن وہ کھیلیں۔ بھلا لڑکی ذات اور سائیکل کی سواری' بلکہ

اب تو گھوڑا بھی خرید لیا ہے۔ سہ سواری کے لئے۔''

بڑی بیزاری سے بولے۔ ''اللہ حافظ ہے میاں اس لڑکی کا۔ میں نے تو لڑکوں کا بھی وہ حال نہیں دیکھا جو اس لڑکی کا دیکھ رہا ہوں۔ بھلا غضب خدا کا لونڈیا کے بال تک کٹوا دیئے ہیں۔ ناخن دیکھئے تو ڈر لگے۔ لمبے لمبے شیر کے پنجے لئے پھرتی ہے یہ تو بابا ساس سسر کا منہ نوچ لے گی ان ناخنوں سے۔ یہ عمر ہونے کو آئی اور پردے میں بھی صاحبزادی کو نہیں بٹھایا گیا۔ خیر صاحب تم انگریز ہو گئے ہو نہ کہ اوپر وہ۔ مگر اس طرح کٹے ہوئے کنکوے کی طرح بھی نہ پھراؤ۔ میاں بس اب انتہا یہ ہے کہ دوپٹہ تک نہیں اوڑھتی۔ میرا تو دیکھ دیکھ کر خون کھولتا ہے۔ اللہ جانتا ہے اپنی لڑکی ہوتی تو گلے میں پتھر باندھ کر دریا میں جھونک آتا۔ مگر پرائی اولاد پر کیا اجارہ ہے؟''

میں نے کہا۔ ''پھر بھی آپ بزرگ ہیں اور آپ کی بات بھی جج صاحب مانتے ہیں اس سلسلے میں آپ کو سمجھانا چاہئے۔''

کہنے لگے۔ ''جی نہیں بخشئے مجھے اور بات کیا مانتے ہیں میری مجھے چغد، دقیانوس گنوار اور جاہل سمجھا جاتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ میں نے وقت بے وقت کے لئے روپیہ جمع کیا ہے اور یہ اتنے بڑے جج ہو کر بھی لفافہ ہی ہیں۔ خاک بھی جمع نہ کیا ہوگا کچھ بس سوٹ پہن ڈالے۔ بیرے اور خانسامے رکھ لئے۔ میز پر بیٹھ کر چھری کانٹے بجا لئے۔ موٹروں پر خرانے بھر لئے۔ وہی مثل کہ کوڑی نہ رکھ کفن کو۔ یہاں زندگی بھر پیسہ جوڑ جوڑ کر مر گئے نہ جانے کیا

وقت آپڑے۔ اب آپ کی دعا سے اپنی زمینوں اور مکانوں کے علاوہ چار پیسے بھی دبار کھے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میں جانتا ہوں صاحب! آپ کی قسم کے عاقبت اندیش چاہیں تو خرید سکتے ہیں اس قسم کے جج صاحبوں کو۔"

کہنے لگے۔ شکر ہے پروردگار کا کہ ان کے بیل نہیں ہیں۔ لڑکا یہاں رہتا ہے تو اب تم سے کیا چوری کسی نہ کسی طرح اس کا خرچ بھی ان کے سر نہیں رہنے دینا چاہتا دو پیسے گھی کے ساتھ لے کر آیا ہوں۔ دو مہینے ہوئے ایک بوری چینی کی بھیج دی تھی۔ کبھی گندم پہنچا دیا۔ کبھی مرغیاں بھیج دیں۔ ایک آدھ درجن پچھلے سال بھینسیں بھیج دی تھیں کہ لو خالص دودھ دہی کھاؤ اور مزے اڑاؤ۔ مار ڈالا اس غریب کو بھی۔ مطلب یہ کہ احسان کبھی نہیں لیا کسی کا۔"

عرض کیا۔ "جی لاحول ولا قوۃ آپ بھلا کیوں احسان لینے لگے مگر میں پھر عرض کروں گا کہ آپ ہی گویا اس خاندان کے بڑے بوڑھے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ کم سے کم نزہت کی تربیت کے سلسلے میں ذرا سمجھائیں جج صاحب کو۔"

منشی جی نے کرسی آگے کھسکا کر بڑے رازدارانہ انداز سے کہا۔ "لو اب مجھ سے سنو۔ بات یہ ہے کہ تم ہی سے دل کی بات کہہ سکتا ہوں کہ میں آیا اسی لئے تھا کہ اب خیر سے اعجاز بھی شادی کے قابل ہوا اور نزیا بھی ماشاء اللہ جوان ہے۔ گھر کی لڑکی ہے۔ گھر کا لڑکا ہے۔ بات پکی کر لو۔ مگر میں تو یہاں کارخانہ ہی کچھ اور دیکھ رہا ہوں۔ بھلا اس میم کو میں کیسے بہو بنا سکتا ہوں۔

میرے گھر میں اس کا کہاں گذر؟"

میں نے کہا۔ نہیں خیر ابھی اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ وہ تو بچہ ہے۔ اس کو جیسی اٹھان اٹھایا جائے گا وہ ویسی ہی بن جائے گی۔"

کہنے لگے۔ "یار مولانا۔ سمجھ دار آدمی ہو کر ایسی باتیں کہہ رہے ہو۔ وہ تو اعجاز کو اپنا خانساماں بنا کر رکھ دے گی۔ نا بابا میرے سر میں اتنے بال نہیں ہیں۔ تمہاری قسم، دم سادھ کر رہ گیا ہوں۔ دل کی دل میں لئے چپ بیٹھا یہ رنگ دیکھ رہا ہوں اور یہاں یہ حال کہ وہ جو ہے خالص ولایتی مال ان حضرت کا بھتیجا شفقت وہ ان کے بھی کان کاٹ رہا ہے۔ میاں وہ تو زمین پر پیر ہی نہیں دھرتا۔ مجھے تو کچھ یہ نظر آرہا ہے کہ اسی کو داماد بنانے کے لئے پالا جا رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "قبلہ میں نے کبھی اس مسئلہ پر غور نہیں کیا۔ مگر جہاں تک میرا خیال ہے جج صاحب کا یہ تو ارادہ نہیں ہے۔"

یہ گفتگو ادھوری ہی رہ گئی۔ اس لئے کہ نزہت ایک دم سے کمرے میں آتے آتے واپس جانے لگی۔ تو منشی جی نے اس کو پکارا۔ "چلی کہاں آتی کیوں نہیں کہاں ہیں باوا تیرے؟"

نزہت نے بیزاری سے کہا۔ "ڈیڈی اور ممی گورنمنٹ ہاؤس کے ایٹ ہوم میں گئے ہیں۔ آپ دونوں کے لئے چائے یہیں بھجوائے دیتی ہوں۔

"اور یہ کہہ کر وہ یہ جا اور وہ جا۔"

(۱۲)

سارا گھر حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے اور میں نے آخری منشی جی پر کیا جادو کر دیا ہے کہ وہ تو بس میرا ہی کلمہ پڑھتے ہیں دن رات اور مجھ سے کچھ ایسے متاثر ہوئے ہیں کہ ان کو مدت العمر سے جاننے والے خود جج صاحب کا بیان یہ ہے کہ ان حضرت کی ایسی وارفتگی کسی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ کہاں جج صاحب کو اندیشہ یہ تھا کہ ان حضرت کا کوئی سخت جملہ یا کوئی ترش رویہ میری خاطر نازک پر گراں نہ گزرے۔ کہاں وہ یہ نقشہ دیکھ رہے تھے کہ منشی جی کو بغیر میرے قرار ہی نہ تھا۔ جب دیکھئے وہ گھسے ہوئے ہیں میرے پاس اور چھن رہی ہے گاڑھی۔ کاش ان کو معلوم ہوتا کہ میں ان کے گھر کو منشی جی کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لئے اور ان کی بے سروپا بک بک سے ان کے دماغ کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے کو بطور بھینٹ چڑھائے ہوئے تھا۔

میرا کمرہ ان کا اگالدان بن کر رہ گیا تھا۔ فرش کا چپہ چپہ اور در و دیوار کا ہر حصہ ان کے پان کی پچکاریوں سے لہولہان نظر آتا تھا۔ ان کا وہ حقہ جو جج صاحب کے گول کمرے کے قالین اور صوفوں پر اوندھنا چاہئے تھا۔ یہ شوق اور یہ فریضہ میرے کمرے میں ادا کرتا تھا مگر کیا مجال کہ میری پیشانی پر ایک شکن بھی کبھی پیدا ہوئی ہو۔ وہ میرا دماغ دن رات چاٹنے میں مصروف تھے اور ان کے لئے گویا میرے دماغ پر یہ مصرع لکھا جا چکا تھا۔

روزئ خود مے خورد لبر خوان تو

مگر کبھی جو میرے کسی انداز سے بیزاری برسی ہو۔ آخر ایک دن جب کہ منشی جی معہ اپنے بلند اقبال کے ایک درگاہ پر حاضری کے لئے تشریف لے گئے تھے جج صاحب نے موقع پا کر مجھ کو گھیر لیا۔

''ارے بھئی مولانا! خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس بلائے بے درماں کو اپنے کس عمل سے تابع کیا ہے؟ یا تو تم واقعی جادوگر ہو۔ ورنہ تمہارے پاس کوئی ایسا عمل ضرور ہے جو اس قسم کی روحوں کو بھی قابو میں لا سکتا ہے۔ کم سے کم میری سمجھ میں یہ راز نہیں آتا کہ تم نے کیا کیا ہے۔''

چچی نے بھی بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ''واقعی تعجب ہی ہوتا ہے کہ بھائی صاحب پر تم نے کیا جادو کر دیا ہے۔''

نزہت نے کہا۔ ''کچھ بھی کیا ہو مگر مولانا ہمارے ہاتھ سے تو گئے۔ کئی کئی دن ہو جاتے ہیں مجھ سے تو بات تک نہیں ہوتی۔ مگر ذرا ان کے کمرے کا

حلیہ ملاحظہ فرمایئے۔ معلوم ہوتا ہے تھرڈ کلاس کا کوئی ایسا ڈبہ ہے جس میں مسافر اپنا سامان چھوڑ کر خود اتر گئے ہوں کسی اسٹیشن پر۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”یہی تو مجھے بھی حیرت ہے کہ ان کی اس خصوصی توجہ کے باوجود نہ تو تمہاری صحت پر کوئی ناگوار اثر پڑا ہے نہ مزاج میں کوئی خاص چڑ چڑاپن ہے۔ نہ اپنی زندگی سے بیزار نظر آتے ہو۔ نہ کوئی حرف شکایت ہے زبان پر۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟“

میں نے سب کی سننے کے بعد نہایت اطمینان سے کہا ”مگر ایمان سے کہئے کہ مجاہدے کی یہ مثال پہلے بھی کبھی آپ میں سے کسی نے دیکھی ہے۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”کبھی نہیں۔ کبھی نہیں۔“

میں نے کہا۔ ”ایثار اور قربانی کا یہ عملی مظاہرہ پہلے بھی کبھی آپ کے تجربے سے گذرا ہے؟“

نزہت نے کہا۔ ”تو گویا آپ یہ ایثار فرما رہے ہیں۔ یہ قربانی پیش کر رہے ہیں آپ۔“

میں نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ”کیوں صاحب یہ قربانی نہیں تو گویا مجھے یہ ارمان تھا کہ کاش کوئی آکر میرے کمرے کو اپنے پان کی بے شمار پچکاریوں سے زینت بخشتا۔ کاش کسی کا سڑا ہوا حقہ میرے کمرے کے قالین پر، میرے صوفوں پر، بلکہ کبھی کبھی میرے لکھنے کی میز پر الٹتا۔ کاش کوئی اپنی بے ہودہ بکواس سے رات دن میرا دماغ دھنکتا اور سر میں گودڑ ٹھونس

ٹھونس کر بھرتا رہتا۔ صاحب آپ کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ جو مصیبت آپ سب پر نازل ہوئی تھی۔ اسے میں نے اپنے سر لے کر آپ سب کو اس سے بچا دیا ہے اور خود نہایت صبر و سکون کی اس مسلسل موت میں مبتلا ہوں۔“

جج صاحب نے واقعی شکر گزاری کے ساتھ کہا۔ ”بھئی زندہ باش! واقعی تم نے ہمارے لئے وہ ایثار کیا ہے جو اس زمانے میں کوئی کسی کے ساتھ نہیں کرسکتا۔“

چچی نے ترس کھا کر کہا۔ ہائے ہائے بے چارہ ہمارے لئے کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ دن بھر غریب کالج میں سر کھپائے اور وہاں سے آئے تو ان کو بھیجہ کھلائے۔“

نزہت نے کہا۔ ”خیر یہ تو مان لیا کہ یہ آپ کا ایسا ایثار ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے عر ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ سونے کے حروف میں مورخ لکھے گا۔ بشرطیکہ ہمارے گھر کی تاریخ کبھی لکھی گئی مگر سوال تو یہ ہے کہ آپ نے خالو جان کو گرویدہ کیسے کیا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”صاحب! صاف بات یہ ہے کہ یہ عمل تسخیر کسی کو بتایا نہیں جا سکتا۔ ورنہ اس کی تاثیر اٹھ جائے گی۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”خیر۔ خیر۔ واقعی بتاؤ تو سہی کہ ان حضرت کو تمہاری کونسی ایسی ادا بھا گئی ہے کہ وہ تو بس تمہارے ہو کر رہ گئے ہیں۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر بھول نہیں سکتا۔ مگر پتہ تو چلے کہ اس میں راز کیا ہے آ ر؟“

میں نے کہا۔ ''صاحب! اس کا راز صرف یہ ہے کہ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا ہوں اور غالباً آج تک ان کو ایسا کوئی آدمی نہیں ملا ہے جو اس شدت سے ان کا ہم خیال ہو۔ جیسا وہ مجھ کو سمجھتے ہیں کہ جو رائے ان کی ہوتی ہے بالکل وہی رائے میری ہوتی ہے۔ مثلاً کل ہی وہ فرما رہے تھے کہ انگریزی پڑھنے سے ایمان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے ان کی پوری تائید کی کہ آپ نے بالکل درست فرمایا۔ خود مجھ پر یہ کیفیت گذر چکی ہے۔ مگر مجھ کو جیسے ہی محسوس ہوا کہ میرے ایمان میں انگریزی پڑھنے سے خلل پیدا ہو رہا ہے۔ میں نے ترکیب یہ نکالی کہ عربی میں انگریزی پڑھنے لگا۔''

جج صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ ''عربی میں انگریزی؟ کیا مطلب ہوا اس کا؟''

میں نے کہا۔ ''اس کا مطلب آپ نہیں سمجھ سکتے مگر وہ سمجھ گئے تھے اور بہت خوش ہوئے تھے کہ اسی کا تو نتیجہ ہے کہ تمہارا ایمان سلامت ہے اور تم گمراہ نہیں ہوئے۔ نہ پڑھتے عربی میں انگریزی تو تم بھی کفار میں سے ہوتے۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو گویا جناب ہی ایک ایسے ملے ہیں جو بے ہودہ گوئی میں ان کے بھی استاد واقع ہوئے ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''کاش کبھی آپ سن سکتے کہ میرے اور ان کے درمیان کن مسائل پر کیا کیا باتیں ہوتی ہیں اور کیسے کیسے عقدے حل ہوتے ہیں [illegible] صاحب سیاسی مباحث الگ رکھتے ہیں۔ مذہبی امور پر ان سے تبادلہ خیال

ہوتا ہے۔ معاشرتی، تاریخی۔ اقتصادی، معاشی مختصر یہ کہ ہر میدان میں وہ مجھ کو آزما چکے ہیں کہ میں سولہ آنے ان کا ہم خیال ہوں۔''

نزہت نے کہا۔ ''مولانا! کس دل گردے کے آدمی ہیں آپ۔ واقعی یہ آپ کا کمال ہے۔''

چچی نے کہا۔ ''پھر کیا کرے بے چارہ؟ وہ ہم سب کی مصیبت اکیلی اپنی جان پر جھیل رہا ہے۔''

جج صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''میرے خیال میں کسی غیر احمق کا احمقانہ گفتگو کرنا اور اس مہارت سے کرنا کہ ایک مسلم الثبوت احمق بھی اس کا قائل ہو جائے میرے نزدیک بڑی ذہانت کا کام ہے۔ کم سے کم مجھ سے ناممکن ہے کہ میں کسی سے اس قسم کی باتیں کروں اور پھر مار نہ کھاؤں۔ میں اگر کسی سے اس قسم کی باتیں کرنے کا ارادہ بھی کروں تو بخدا مجھ کو ہنسی آ جائے۔ تو کیا تم ہنستے بھی نہیں مولانا؟''

میں نے کہا۔ ''کمال کیا آپ نے سولی پر جس کی جان ہو۔ وہ بھلا ہنس سکتا ہے۔ ہاں ان کے جانے کے بعد یکمشت ہنس لیا کرتا ہوں۔

آپ کل ہی وہ فرما رہے تھے کہ پاکستان اور ہندستان کا سارا جھگڑا اردو اور ہندی کا ہے۔ میں کہتا ہوں لعنت بھیجو اردو پر اور ان سے کہو کہ چھوڑیں وہ بھی ہندی۔ بس دونوں کی ایک زبان ہو جائے عربی۔''

جج صاحب کے منہ سے [illegible] چھوٹ [illegible] اور چچی جی کے [illegible]

اپنے بھاری بھرکم جسم میں کئی زلزلے پیدا کر کے رہ گئیں۔ نزہت تو لوٹ گئی ہنسی کے مارے، میں نے اس طوفان کو بمشکل قابو میں لا کر کہا۔ ''صاحب! آپ ہنس رہے ہیں مگر میں نے بڑی سنجیدگی سے اس کی تائید کی تھی کہ بالکل درست فرماتے ہیں آپ بلکہ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ ہندو ہمارے مذہب سے آہستہ آہستہ قریب ہو جائیں گے تو آنکھ مار کر بولے کہ یہی تو میں بھی چاہتا ہوں اور یہ موٹی سی بات ہمارے لیڈروں کی سمجھ میں نہیں آتی۔''

جج صاحب نے رومال سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ''گڈ لارڈ! بھئی یہ انتہا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا کمرہ واقعی آج کل پاگل خانہ بنا ہوا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''صاحب! اب تو مجھے خود اپنے متعلق شبہ ہونے لگا ہے کہ میں خود تو نہیں بہک رہا ہوں غیر محسوس طور پر۔''

عین اسی وقت منشی جی کی آواز فضا میں گونجی۔ ''ارے بھئی کہاں گئے سب؟ اور ہم سب دم بخود ہو کر پہلے تو کھوے گئے۔ پھر ایک ایک کر کے منتشر ہونا شروع ہوئے۔

(۱۴)

ایک طرف تو منشی جی کی یہ مصیبت نازل تھی۔ دوسری طرف میاں شفقت کی سیاست کارفرما تھی۔ وہ حضرت اپنی کارگذاریوں میں اس طرح مصروف تھے کہ گویا۔

داغ اپنی جمائے جاتا ہے!

نہ جانے وہ کب سے میری تاک میں تھے۔ آخر ایک دن دیکھتا کیا ہوں کہ کالج میں چلے آرہے ہیں آپ ٹہلتے ہوئے۔ شکر ہے کہ میں اس وقت کوئی کلاس نہیں لے رہا تھا۔ بلکہ اسٹاف روم میں بیٹھا ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ ان حضرت کو دیکھ کر میں گھبرا سا گیا کہ یہ یہاں کیسے؟ مگر خود انہوں نے آتے ہی کہا۔ ''آپ سے اب گھر پر تو ملا ہی نہیں جا سکتا۔ منشی جی ہی آپ کو کب چھوڑتے ہیں کہ کوئی اور آپ سے نیاز حاصل کر سکے۔ دوسرے

مجھے ذرا پرائیوٹ قسم کی چند باتیں کرنا تھیں تو میں نے کہا۔ کہ کالج میں چلوں۔ آپ کو فرصت تو ہے تھوڑی سی؟"

میں نے کہا۔ "ہاں ہاں! فرمائیے۔ اس وقت میرا کوئی کلاس نہیں ہے۔ پہلے یہ بتائیے کہ کیا پئیں گے آپ؟ چائے یا کافی؟"

ان حضرت نے اپنی ٹائی کا زاویہ درست کرتے ہوئے سگریٹ نکال کر سگریٹ کیس پر ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "نو تھینکس۔ اس وقت کچھ نہیں۔ سب سے بڑی خاطر یہی ہے کہ آپ میری باتیں غور سے سن لیں اور مجھ کو مشورہ دیں۔"

میں نے کہا۔ "ہاں ہاں! بسر و چشم۔ آپ فرمائیے نا۔"

وہ اپنی نشست کے کئی پہلو جلدی جلدی بدل کر اور پھر سگریٹ کا ایک لمبا کش لے کر بولے۔ "مولانا۔ بات یہ ہے میرے اور آپ کے درمیان کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کم سے کم مجھے تو کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔"

وہ کہنے لگے۔ "پہلے میری پوری بات سن لیجئے۔ آپ کو کوئی جلدی تو نہیں؟"

میں نے ارادہ کیا کہ از روئے حلف ان کو یقین دلاؤں کہ مجھے فرصت ہے۔ مگر کہا صرف یہ کہ "عرض تو کیا کہ مجھے اس وقت کوئی خاص کام نہیں ہے۔ آپ نہایت اطمینان سے بات کریں۔"

اب انہوں نے سگریٹ کا پھر ایک لمبا کش لیا اور پھر بولے۔ "مس انڈر اسٹینڈنگ یعنی غلط فہمی آپ کو اگر نہیں ہے تو تعجب ہے۔ بہرحال ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ حالات ہی کچھ اس قسم کے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اس گھر میں میری جو حیثیت تھی اس سے آپ واقف نہیں ہیں۔ بس اتنا ہی کافی ہوگا کہ میں ہی تھا۔ اس گھر میں چچا میاں کی آنکھ کا تارا چچی کا راج دلارا اور نزہت کو بھی سب سے پیارا صرف میں تھا۔ مگر میری صاف گوئی معاف کیجئے گا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد رفتہ رفتہ سب مجھ سے بیگانہ ہونے لگے۔ اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں سب کی آنکھوں میں ایک کھٹکتا ہوا کانٹا بن کر رہ گیا ہوں۔ چچا میاں مجھ سے برگشتہ، چچی مجھ سے بیزار اور حد یہ ہے کہ نزہت بھی مجھ سے کنارہ کش نظر آتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس میں آپ کی کسی خاص کوشش کو کسی قسم کا دخل نہیں ہے مگر کسی وجہ سے بھی ہو۔ صورت حال یہی ہے اور یہ صورت حال میرے لئے نا قابل برداشت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے۔"

میں نے نہایت صبر و سکون سے کہا۔ "برادرم! ان حالات میں تو مجھے آپ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ میں آخر کیاں کروں؟ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے علیحدہ رہنا چاہا اور پوری کوشش کی کہ مجھ کو اس گھر سے جانے کی اجازت مل جائے۔ پہلے مکان کا سوال تھا کہ کیسے ملے گا۔ پھر یہ صورت بھی پیدا ہوگئی کہ میں اپنے کالج کے ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو رہا تھا۔ اس کو بھی چچ

صاحب نے اور چچی نے منظور نہ کیا۔ میں آج بھی اس مکان سے جانے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھ کو اجازت دلوا دیں۔"

شفقت نے ذرا تلخی سے کہا۔ "دیکھئے مولانا! میں آپ کا ایسا عقل مند اور دور اندیش، ٹھنڈا اور سلجھا ہوا آدمی نہ سہی مگر آپ مجھ کو اتنا بے وقوف بھی نہ سمجھیں کہ میں آپ کی ان نرم باتوں میں آ کر آپ کو اس سلسلے میں ذمہ دار سمجھنا چھوڑ دوں گا۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ آپ میرے حریف ہیں اور یہ بھی طے ہے کہ اس گھر میں اب یا آپ رہیں گے یا میں رہوں گا۔"

میں نے کہا۔ "شفقت صاحب! اگر آپ ان تیوروں سے بات کریں گے تو میں یہ جواب دوں گا کہ میرا ارادہ خود رہنے کا ہے اگر آپ سے یہ برداشت نہیں ہوتا تو آپ کو اپنا اختیار ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کا کسی اعتبار سے حریف نہیں اور نہ آپ کا حریف بننا میں اپنی شان کے شایاں سمجھتا ہوں۔"

شفقت نے تیزی سے کہا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ مجھ کو کھلا ہوا چیلنج دے رہے ہیں۔"

میں نے نرمی سے کہا۔ "چیلنج کا کیا سوال؟ چیلنج آدمی اپنے مدمقابل کو دیتا ہے اور میں آپ کی اسی حیثیت کو سمجھنے اور قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں۔"

شفقت نے اٹھنے کے لئے پر تولتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو دیکھا جائے گا مگر یہ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں جس عالم سے گذر رہا ہوں۔ اس

میں انسان کو اپنی زندگی کی بھی پرواہ نہیں ہوتی اور جو اپنی زندگی کی پرواہ نہ کرے وہ کسی اور کی زندگی کی بھی پروا نہیں کر سکتا۔"

میں نے کہا۔ "شفقت صاحب! اگر آپ اس قسم کی دھمکیوں سے کام لینا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ سن کر مایوسی ہو گی کہ میں اس کو صرف آپ کا بچپن سمجھتا ہوں۔"

شفقت نے نہایت غنڈوں کے انداز سے کہا۔ "تو یہ بھی کان کھول کر سن لیجئے کہ نزہت کو آپ آسانی سے مجھ سے نہ چھین سکیں گے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ لاحول ولا قوۃ۔ نزہت کا یہاں کیا سوال ہے اور یہ جناب کو کیسے اندازہ ہوا کہ میں نزہت کا امیدوار ہوں؟"

شفقت نے کہا۔ "آپ امیدوار نہ سہی مگر میرے ابن الوقت چچا اور میری جاہ پرست چچی کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تو آپ یہ معاملہ براہ راست اپنے ان بزرگوں سے طے کیجئے جن کو سعادت مندی کے جوش میں آپ ابن الوقت اور جاہ پرست کہہ رہے ہیں۔ مجھ سے کیا مطلب؟

شفقت نے کہا۔ "اگر آپ واقعی غیر متعلق ہیں اور آپ کی واقعی یہ خواہش نہیں ہے تو آپ ان کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہنے دیں اور ان سے صاف صاف کہہ دیں کہ آپ نزہت سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔"

میں نے شفقت کو واقعی قابل رحم بے وقوف سمجھ کر کہا۔ "عقل سے کام

لو۔ برادرم! میں بلاوجہ کیوں وہ بات چھیڑوں جواب تک مجھ سے چھیڑی نہ گئی ہو۔ مجھے انکار کا کیا حق ہے جبکہ ایک سرے سے کوئی پیشکش ہی نہیں ہے۔"

شفقت نے کہا۔ "اچھا تو آپ کم سے کم یہ ظاہر کریں کہ آپ کی جذباتی وابستگی کسی اور لڑکی سے ہے۔"

میں نے کہا۔ "یک نہ شد دو شد۔ اب میں آپ کی خاطر وہ لڑکی کہاں سے لاؤں؟"

شفقت نے عاجز آ کر کہا۔ "پھر سوال یہ ہے کہ وہ آپ سے کس طرح مایوس ہو کر میری طرف پلٹیں گے؟"

میں نے کہا۔ "بھئی عجیب باتیں کر رہے ہیں آپ بھی۔ دھوبی سے بس نہیں چلتا گدھے کے کان اینٹھنے کو موجود ہیں۔ بہر حال میں ایک مرتبہ پھر کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں کہ مجھ کو اس گھر سے جانے کی اجازت مل جائے مگر واضح رہے کہ آپ سے مرعوب ہو کر یا آپ کی طفلانہ دھمکیوں میں آ کر نہیں بلکہ محض اس لئے کہ میں اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا۔"

شفقت نے کہا۔ "آپ پھر کہیں گے کہ میں دھمکی دے رہا ہوں مگر یہ واقعہ ہے اگر آپ نے میری یہ باتیں وہاں جا کر دھرائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ مجھ کو مقابلے کے لئے للکار رہے ہیں۔"

اب میں نے بھی ضبط سے کام لینا بزدلی سمجھ کر کہا۔ "تم آخر اپنے کو سمجھتے کیا ہو؟ تم کیا اور تمہاری دھمکی کیا۔ میں اب تم ایسوں کو بھی خاطر میں

لانے لگا تو لعنت ہے مجھ پر۔ جاؤ تم سے جو کچھ ہو سکے وہ کر لینا۔ میں یہ تمام باتیں چچا جان سے بھی کہوں گا اور چچی سے بھی اور دیکھوں گا کہ تم کیا کر لیتے ہو؟"

شفقت نے مشتعل ہو کر کہا۔ "مولانا اس کا نتیجہ نہایت ہولناک ہوگا۔"

میں نے کہا۔ "میرے لئے نہیں۔ تمہارے لئے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ وہ رہا دروازہ۔"

شفقت غصے سے بھرا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ مگر میرا موڈ خراب کر گیا۔ میں نے لاکھ چاہا کہ اس کی احمقانہ باتوں پر غصہ نہ آئے مجھے مگر اس قسم کے لوگ بڑے صبر آزما ہوتے ہیں۔ آخر میں قابو سے باہر ہو ہی گیا۔

(۱۴)

باوجود انتہائی اشتعال کے میں نے گھر پہنچ کر نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ پہلے اپنا جائزہ لیا کہ میرے اس اشتعال کو کیا حیثیت حاصل ہے یعنی میں ایک فاترالعقول بیوقوف کی باتوں سے مشتعل ہوا ہوں۔ یہ اشتعال میرے شایانِ شان ہے یا نہیں اور مجھ کو شفقت کی یہ باتیں جج صاحب یا نزہت تک پہنچانا چاہئیں یا نہیں اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ شکایت کرنا بجائے خود کمزوری ہے۔ شکایت تو وہ کرتا ہے جو خود کچھ نہ کر سکے اور شفقت کے مقابلے میں اپنے کو ایسا بے چارہ محسوس کرنا مجھے اپنی شان سے گری ہوئی بات محسوس ہوئی۔ لہٰذا میں نے یہ بات تو کسی سے نہ کہی۔ البتہ مجھ کو اپنا یہ وعدہ بھی یاد تھا کہ میں شفقت سے کہہ چکا ہوں کہ ایک مرتبہ پھر اس گھر کو چھوڑنے کی کوشش کر دیکھوں گا۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ یہ کوشش کس

طرح شروع کی جائے؟ کوئی نہ کوئی معقول بہانہ تو بہر حال ہونا چاہئے۔ بہرطور، چونکہ اس وعدہ کا مطلب یہ نہ تھا کہ میں آج ہی کوشش کروں گا۔ لہٰذا میں نے فی الحال اس تمام قصے کو بھولنے کی کوشش کی۔ اور اگر کوشش نہ بھی کرتا تو بھی اس وجہ سے بھول جانا پڑتا کہ منشی جی کی ذات سے یہ امید نہ تھی کہ وہ اس کا موقع حاصل کرنے دیتے۔ چنانچہ وہ مجھ کو ڈھونڈتے ہوئے اپنا حقہ لئے میرے کمرے میں آ گئے اور اپنی مقررہ کرسی پر بیٹھ کر اور دوسری کرسی پر حقہ رکھ کر بولے:

’’آج میں تمہارا بڑی شدت سے انتظار کر رہا تھا مولانا صاحب آج تو انتہا ہو گئی۔ وہ منظر دیکھا ہے کہ قربِ قیامت کا دل سے قائل ہو گیا۔ واقعی اب قیامت ہمارے آس پاس ہی ہے۔ دعا کرو کہ خدا عاقبت بخیر کرے۔‘‘

میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔ ’’آمین ـــــ مگر بات کیا ہوئی؟‘‘

کہنے لگے۔ ’’صاحب! ہماری عزیزہ اور آپ کی بھی عزیزہ نزیا کو میں نے دیکھا کہ ان کے کمرے میں ایک حجام موجود ہے جو کھچا کھچ ان کے بال تراش رہا ہے اور طرح طرح کے پرزے ان کے بالوں میں لگے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ اس لونڈیا کا سر نہیں ہے بلکہ کسی انجینئر کی مشینوں کا کمرہ ہے۔ میں نے پہلے تو یہ سمجھا کہ خدا نخواستہ آپریشن ہو رہا ہے۔ صاحبزادی کا [illegible] رہ گیا کہ یہ ہوا کیا آخر۔ بعد میں پتہ چلا کہ تزئین حجامت ہو رہی ہے۔ ویسے یہ غضب خدا کا ان کی ذات [illegible]۔‘‘

میں نے ہنس کر کہا۔ ”جی ہاں! آپ کے لئے واقعی یہ تعجب خیز منظر ہوگا۔ مگر مجھے اس لئے حیرت نہیں ہوتی کہ میں تو جانتا ہوں کہ ہر مہینے یہ ہیئر ڈریسر آتا ہے اور نزہت کے بال تراشے جاتے ہیں اور ان میں گھونگر پیدا کیا جاتا ہے۔“

منشی جی نے واقعی میرے کمرے میں تھوکتے ہوئے کہا۔ ”تف ہے میاں اس فیشن پر۔ بخدا میں نے تو کبھی اس عمر کی لڑکیوں کے بال کٹتے نہیں دیکھے۔ جی تو چاہا کہ لے کر ڈنڈا اس حجام کا بھی سر توڑ دوں اور تمہارے ان چچا جان کی بھی خبر لوں جو لونڈیا کا اس طرح ناس مار رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس شخص کا دماغ کیا واقعی ٹل گیا ہے۔ اگر عہدے اور تعلیم کا دماغ پر یہ اثر پڑتا ہے تو بابا ہم لنڈورے ہی بھلے۔ آج تو میرا ارادہ ہے کہ میں اعجاز کو لے کر یہاں سے چلا ہی جاؤں تو اچھا ہے۔ مجھ سے یہ حالات نہیں دیکھے جاتے۔ نہ جانے اس وقت میں آپے سے باہر ہو جاؤں۔ میں تو ان لوگوں سے اب کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔“

میں نے کہا۔ ”معاف کیجئے گا۔ آپ کو کوئی مشورہ دینا لقمان کو حکمت پڑھانا ہے۔ مگر میرے نزدیک آپ کا اس طرح قطع تعلق کر لینا بجائے مفید ہونے کے اور بھی مضر ہوگا۔ اس خاندان میں صرف ایک آپ ہی تو ہیں جو چچا جان کو بھی ڈانٹ ڈپٹ سکتے ہیں آپ کو چاہئے کہ اس غلط راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے سے ان کو باز رکھنے کی کوشش کریں۔“

منشی جی نے جوش میں آ کر نہ جانے کیا کہنے کی کوشش میں اپنا حقہ کرسی سے گرا لیا۔ پانی قالین نے ایک مرتبہ پھر پی لیا راکھ اس گیلے قالین پر کچھ چپک گئی اور کچھ اڑ کر مسہری تک پہنچی۔ آگ ہر طرف منتشر ہو گئی جس کو وہ پیر سے رگڑ رگڑ کر دری کا ناس مارتے رہے۔ اور بار بار ”لاحول ولاقوۃ“ بھی فرماتے رہے۔ میں نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی بڑی فراخدلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

”خیریت ہوئی کہ چلم نہیں ٹوٹی۔ میں اور بھروائے دیتا ہوں چلم“۔

منشی جی نے کہا۔ ”نہیں اب تھوڑی دیر کے بعد بھرواؤں گا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میاں لعنت ہے میری زندگی پر یہاں تو عزت آبرو تک خطرے میں نظر آتی ہے۔ میں تو اعجاز میاں کو یہاں بھیجکر پچھتاتا ہوں کہ ناس ہو کر رہ گیا اس کا ایسی عادتیں خراب ہوئی ہیں صاحبزادے کی کہ گھر لے جا کر برسوں کوشش کروں گا تو کہیں جا کر اپنی اصلیت پر واپس آئیں گے انتہا یہ ہے کہ برش سے دانت صاف کرنے لگا ہے۔ میں نے کہا کہ ابے کیوں دماغ خراب ہوا ہے تیرا۔ یہ برش ورش کہاں لئے پھرتا ہے۔ دانتوں کے لئے حقے کے تمباکو کے گل سے زیادہ مفید اور کوئی چیز نہیں۔ مسوڑھوں کا سارا زہر یہ نکال دے۔ دانتوں کی جڑوں کو یہ مضبوط کرے اور موتی کی طرح چمکا دے دانتوں کو یا پھر اپنا وہی نیم کا مسواک۔ سبحان اللہ کیا بات ہے ان کی۔ کوئی پوچھے کہ بی مینڈکی تم جو گھوڑوں کے دیکھا دیکھی یہ نعل جڑوانے بیٹھی ہو تو تمہارا کیا حشر

ہوگا؟ میں نے تو کہا کہ برخوردار اپنے حواسوں میں رہو۔ یہ برش سے دانت مانجھنا اور یہ ہر روز جوتے کو پالش سے چمکانا میرے یہاں نہ چلے گا۔"

میں نے کہا۔ "نہیں صاحب! آپ کو تو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اعجاز میاں یہاں رہ کر بھی وہ بننے نہ پائے جو ایک دوسرا نمونہ نظر آتے ہیں شفقت صاحب!

منشی جی نے کہا۔ کس کی بات کی ہے تم نے وہ لونڈا تو سر پھرا ہے۔ انگریزی گھاس چر گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کسی ڈیوک آف کناٹ کے خاندان سے چلے آ رہے ہیں۔ وہ حالت ہوتی ہے ان صاحبزادے کی۔ جب یہ میڑھا منہ کر کے اور چرٹ کا دھواں بزرگوں کے منہ پر مار کر بات کرتے ہیں۔ آج تو ان حضرت کی بڑی تلاش ہو رہی ہے سنا ہے کہ نہ دوپہر کو کھانے پر تھے نہ سہ پہر کے ناشتہ پر اور نہ اب تک کہیں پتہ ہے ہوگا کہیں آوارہ گردی میں مصروف۔"

میں نے کہا۔ "اچھا مجھے خبر نہ تھی کہ یہ حضرت لاپتہ ہیں۔ واقعی دوپہر کو جب میں کالج سے واپس آیا ہوں۔ ان کا کمرہ بند تھا۔ باہر سے لنچ پر بھی ان کی کرسی خالی تھی اور چائے کے وقت بھی چچا جان پوچھ تو رہے تھے ان کو۔"

منشی جی نے کہا۔ "ہاں [illegible] تو [illegible]
[illegible]
[illegible] اعجاز تو ان

ہونے کو آیا مگر مجال نہیں ہے اس کی کہ میرے سامنے پتنگ تک اڑائے۔ ایک مرتبہ سگریٹ پیتے میں نے دیکھ لیا تھا گردن پکڑ کر وہ ہاتھ جھاڑے ہیں کہ دن کو تارے نظر آنے لگے۔"

میں نے کہا۔ سبحان اللہ کیا بات ہے اسی تربیت کا تو نتیجہ ہے کہ کسی بری راہ پر نہیں لگے آں عزیز۔"

ہم دونوں یہ باتیں کر رہے تھے کہ جج صاحب تشریف لے آئے اور آتے ہی مجھ سے کہا۔ بھئی شفقت کا صبح سے پتہ نہیں۔ آخری اطلاع یہ ملی ہے کہ صبح کچھ دوستوں کے ساتھ دریا پر گئے تھے مچھلی کے شکار کو۔"

اب میں کیا کہتا کہ وہ مچھلی میں ہی تھا اور وہ میرے پاس تشریف لے گئے تھے۔ اور غالباً اب تک اس لئے گھر واپس نہیں آئے ہیں کہ ان کو اندیشہ ہوگا کہ میں نے آ کر ایک ایک بات لگا دی ہوگی اور اب ان کی خبر لی جائے گی۔ بہر حال میں نے جج صاحب سے کہا۔ کوئی ایسے تردد کی بات تو ہے نہیں۔ وہ کوئی بچہ تو ہیں نہیں کہ کہیں گم ہو گئے ہوں گے۔"

جج صاحب نے بڑی معنی خیز بات کہی۔ "بچپن نہیں بلکہ گم ہونے کا زمانہ جوانی ہے اور میں یہی ڈر رہا ہوں کہ یہ صاحبزادے کسی بری صحبت میں پھنس کر ہاتھ سے نہ جاتے رہیں۔"

منشی جی [illegible]

صحبت [illegible]"

یہ الفاظ اتنی آہستگی سے کہے گئے تھے کہ جج صاحب کو پوچھنا پڑا۔ کیا فرمایا آپ نے بھائی صاحب۔"

میں نے رفع شر کے لئے کہا۔ "فرماتے ہیں کہ بری صحبت اور برے وقت سے خدا بچائے تو کیا چچا جان آپ کا خیال ہے کہ دریا کی طرف گئے تھے۔ لہٰذا کوئی تشویشناک بات ہے۔

جج صاحب نے فرمایا۔ صاحب! مجھے ان کے دریا میں ڈوبنے کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ ان میں صلاحیت ہے ساحل پر بھی ڈوب جانے کی۔ بہرحال جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ ہم آخر کہاں تک ان کی نگرانی کر سکتے ہیں۔ دن کا کھانا ان کے انتظار میں تمہارے آنے کے بعد کھایا گیا۔ سہ پہر کی چائے ایک گھنٹہ لیٹ کی گئی اور اس وقت بھی اب تک تو انتظار کیا۔ آخر کہاں تک دیر کی جائے۔ آیئے آپ لوگ، کھانا لگوا دیا ہے۔"

جج صاحب کے ساتھ منشی جی اور میں سب ہی کمرے کے باہر آ گئے۔

(۱۵)

دوسرے دن اس کالج پہنچتے ہی مجھ کو ایک دستی لفافہ ملا جو چپراسی نے مجھے دیتے ہوئے کہا کہ ایک صاحب آئے تھے اور وہ آپ کو یہ خط دے گئے ہیں۔ میں نے لفافہ کھول کر دیکھا یہ شفقت کا خط تھا۔

"مکرمی!! آپ کو سخت مایوسی ہوئی ہوگی کہ آپ نے کالج سے جاتے ہی ایک ایک کی دس دس میرے خلاف لگائی ہوں گی اور بیچاریاں گھر سے خلاف خوب خوب بھرا ہوگا۔ "مگر میں نے گھر آکر ان کا موقع ہی نہ دیا کہ آپ کے طلسم میں آئے ہوئے یہ حضرات آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میری تذلیل کریں۔ میں آپ سے دور گیا اس خیال سے کہ آپ کے بہکاتے میں آکر گھر والے میری تحقیر کریں گے گھر سے غائب نہیں ہوا ہوں بلکہ یہ میرا عہد ہے کہ میں اب اس گھر میں قدم رکھوں گا تو فاتحانہ طور پر ورنہ

نہیں اور میری فتح یہ ہوگی کہ تم مجھ کو وہاں نظر نہ آؤ۔

میں پھر ایک مرتبہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم کو وہ گھر بہر حال چھوڑنا پڑے گا شرافت اور دانشمندی سے کام لے کر اگر خود نہ چلے گئے تو پابہ دستے وگرے دست بدستے وگرے تم کو وہاں سے نکلوایا جائے گا اور یہ وہ مہم ہے جس کو سر کرنے کے لئے میں جان کی بازی بھی لگا دوں گا۔ ایسی جان کی بازی جس میں خود تمہاری زندگی بھی محفوظ نہ ہوگی۔

مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس گھر میں میرے دو حریف ہیں۔ ایک تم، دوسرا اعجاز، مگر اعجاز کی دال میرے مقابلے میں مشکل سے گل سکتی ہے۔ البتہ تم سے مجھ کو بجا طور پر خطرہ ہے کہ تم میرا حق لے اڑو گے۔ مگر ایک مرتبہ پھر کان کھول کر سن لو کہ اس منزل پر پہنچنے کے لئے تم کو اپنے خون میں تیرنا اور میری لاش پر سے گذرنا ہوگا۔

شفقت

میں نے یہ احمقانہ خط پڑھ کر اس وقت تو رکھ لیا مگر کالج سے واپسی کے وقت پھر مجھ کو غور کرنا پڑا کہ میں یہ تمام حالات جج صاحب کو بتاؤں یا اب بھی چپ رہوں وہ ان حضرت کی تلاش میں کنوئیں جھانک رہے تھے۔ شہر کا کونہ [illegible]

رساں ہو تو ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی کہ میں نے جج صاحب کو تاریکی میں رکھا۔ مجھے اپنی ذات سے زیادہ ڈر نزہت کا تھا کہ وہ نہایت آزادی کے ساتھ اپنی بائیکل پر کالج جاتی ہے۔ نہ جانے اس احمق شفقت کو کیا سوجھ جائے اور اس غریب پر آنچ آجائے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ چنانچہ کالج سے واپس آکر میں سیدھا جج صاحب کے پاس پہنچا۔ جہاں اس وقت چچی، منشی جی، اعجاز اور نزہت سب ہی موجود تھے اور تقریباً سب ہی شفقت کی گمشدگی سے متفکر نظر آتے تھے۔ حد یہ ہے کہ منشی جی بھی منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی جج صاحب نے کہا۔

”آؤ بھئی مولانا۔ اب تک صاحبزادے کا کہیں پتہ چلا؟ میرا اب یہ قطعی خیال ہے کہ وہ واقعی ڈوب گیا۔“

مجھ سے پہلے ہی منشی جی بول اٹھے۔ ”میں پھر یہی کہتا ہوں کہ کسی عامل سے فال کھلوا کر دیکھو۔“

جج صاحب نے بیزاری سے کہا۔ ”نہیں صاحب فال سے کیا ہوتا ہے؟ اپنا دماغ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں؟“

میں نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھیں۔ وہ ڈوبے نہیں ہیں اور یہ میں اپنی ذاتی ذمہ داری پر کہتا ہوں کہ وہ بخیرت ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ گھر آجائیں تو آپ کو صرف ایک کام کرنا پڑے گا۔“

جج صاحب نے ہمہ تن متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا کام؟ یعنی مجھے

کیا کام کرنا پڑے گا اور یہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ خیریت سے ہیں اور واپس بھی آ سکتے ہیں۔ کیا یہ صرف اٹکل لگایا ہے تم نے ان کا؟"

میں نے کہا۔ "سب کچھ عرض کئے دیتا ہوں بشرطیکہ آپ ان کی واپسی کی شرط منظور فرما لینے کا وعدہ کر لیں۔"

جج صاحب بڑے جہاندیدہ آدمی ہیں اور دماغ بھی قانونی پایا ہے۔ کہنے لگے۔ "دیکھئے مولانا!! میں ان کی گمشدگی کی وجہ سے صرف اس لئے پریشان ہوں کہ ان کے گم ہونے کا ذمہ دار میں نہ ٹھہرایا جاؤں کہ مرحوم بھائی کی ایک ہی نشانی تھی۔ اسے بھی کھو بیٹھے ہیں میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ موجود بھی ہیں یا نہیں۔ اب وہ گھر واپس آنے کی شرط اگر وہ میرے لئے قابل قبول ہوئی تو مان لوں گا ورنہ وہ جائیں اور ان کا کام میں کسی دباؤ میں آ کر کوئی ناروا شرط منظور کرنے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔"

چچی نے کہا۔ "تم بتاؤ تو کہ وہ شرط کیا ہے۔ میں کوشش کروں گی یہ منظور کر لیں۔"

جج صاحب نے پھر اپنی پوزیشن واضح کی۔ "جی نہیں۔ میں آدم کا پتلا ضرور ہوں۔ مگر بیوی کی ہر بات کو ماننے کا بھی وعدہ نہیں کرتا۔ اگر وہ بات ماننے والی ہوئی تو کسی کی بھی سفارش کی ضرورت نہیں ہو گی ورنہ میں کسی کے کہنے سننے میں آنے والا نہیں ہوں۔"

میں نے کہا۔ "وہ شرط کچھ ایسی سخت اور ناجائز بھی نہیں۔ آپ کو

صرف مجھے اجازت دینا ہوگی کہ میں اس گھر کے بجائے کہیں اور قیام کا انتظام کر لوں۔"

جج صاحب نے جوش میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "قطعی طور پر نہیں۔ بکواس ہے یہ مطالبہ۔"

چچی نے کہا۔ "تو یہ ہے بات تو پوری سن لیجئے ان سے تو مولانا، آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ اس گھر سے چلے جائیں۔ یہ آپ کا خیال ہے یا سچ مچ آپ کو معلوم ہوا ہے؟"

میں نے کہا۔ "یہ میرا قیاس نہیں بلکہ صرف یہی ان کی ایک شرط ہے اور وہ اب اس وقت تک ہرگز اس گھر میں نہ آئیں گے جب تک میں موجود ہوں"۔

نزہت نے تیزی سے کہا۔ "تو نہ آئیں وہ؟"

جج صاحب نے بھی گنبد کی آواز بن کر کہا۔ "بے شک نہ آئیں وہ۔ آپ صاف صاف بتایئے کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیا وہ ملا تھا آپ کو؟

اب میں نے من و عن ان کے کالج جانے کا تمام واقعہ سنا کر آج کے خط کا ذکر کرتے ہوئے جیب سے نکال کر وہ خط بھی پیش کر دیا۔ جج صاحب نے وہ خط خود ہی پڑھنا چاہا۔ تو چچی نے زور دیا کہ نہیں سب کو سناؤ۔ چنانچہ وہ خط جج صاحب نے سب کو سنایا۔ پھر خط ختم ہونے کے بعد غصہ سے کہا۔ "ایڈیٹ۔ گدھا، مگر مولانا! آپ نے بھی کمال کیا کہ کل آپ بالکل ہی چپ رہے۔"

میں نے کہا۔ "آج بھی چپ رہتا۔ مگر آج مجھے اندیشہ یہ پیدا ہوا کہ

نزہت تنہا کاٹے جاتی ہیں اور یہ شخص ضرورت سے زیادہ بیوقوف ہے۔ کہیں کوئی حماقت نہ کر گزرے۔‘‘

منشی جی نے جوش میں آ کر کہا۔ اس کی ایسی تیسی، ہڈیاں تھیلے میں بھر کر رکھ دوں۔‘‘

میں نے جج صاحب سے کہا۔ ’’میں یہ گذارش کروں گا کہ آپ مجھ کو واقعی اجازت دے دیں تو بھی میں علاحدہ ہو کر آپ سے غیر متعلق تو ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ اس گھر میں جو پھوٹ پڑ رہی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’کیا کہتے ہو مولانا۔ اب تو میں تم کو قیامت تک اجازت نہیں دے سکتا۔‘‘

چچی نے کہا۔ ’’ایسی گیدڑ بھبکیوں میں اگر آ گئے تو کل وہ کہے گا کہ وہ بھی اپنا گھر چھوڑ دیں۔ میں کہتی ہوں اس کا تو جانا ہی اچھا ہوا۔‘‘

منشی جی بولے۔ ’’وہ اب اس گھر میں قدم رکھ کر تو دیکھے۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’بخدا اگر یہ خط میں پولیس کے حوالے کر دوں تو ہتھکڑی لے لیا جائے صاحبزادے کا۔ اور غالباً مجھ کو اس مشورہ پشت کے لئے کچھ اسی قسم کی تدبیر کرنا پڑے گی۔‘‘

منشی جی نے کہا۔ ’’بھلا بتایئے جو شخص مولانا ایسے اللہ میاں کی گائے سے کہے کہ آ بیل مجھے مار! وہ بھلا کس سے خوش رہ سکتا ہے۔ مگر دیکھو بھئی مولانا بھی یہ ٹھیک کہتے ہیں کہ نزیا کا اس حالت میں کاٹے جانا ٹھیک نہیں ہے۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’خالو جان! ایسے بزدلوں کی اتنی مجال نہیں ہوتی۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’یہ نہیں ڈارلنگ۔ کل سے تم کار پر جاؤ گی کالج اور مجھے مولانا کی بھی نگرانی کرنا پڑے گی۔ رہ گیا وہ ناخلف اس مردود ننگِ خاندان کا۔ یہاں سے چلے جانا ہی اچھا ہوا۔ بہرحال اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ اس کا چلا جانا واقعی اچھا ہوا۔‘‘

میں نے اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا کہ پھر کسی وقت جج صاحب کو سمجھا کر اجازت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔‘‘

(۱۶)

ابھی میں سو کر اٹھا ہی تھا اور نماز پڑھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ نزہت جو دن چڑھے سو کر اٹھنے کی عادی ہے۔ اندھیرے منہ چلی آرہی ہے۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ’’خیریت تو ہے آج اتنی جلدی سو اٹھیں؟‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’نہ جانے آج کیا بات تھی کہ رات بھی کئی مرتبہ آنکھ کھل گئی اور اس وقت بھی اتنے سویرے جاگ اٹھی۔ میں تو رات بھی دو مرتبہ آپ کے کمرے کے چکر کاٹ گئی ہوں۔ مولانا آخر آپ اندر سے دروازہ بند کر کے کیوں نہیں سوتے؟‘‘

میں نے ہنس کر کہا۔ ’’مگر تم تو کل بڑی بہادر بن کر کہہ رہی تھیں کہ ایسے بزدلوں کی اتنی مجال نہیں ہوتی اور حال یہ ہے کہ رات بھر ڈر کے مارے

نیند نہیں آئی۔ ذرا اپنی آنکھیں تو دیکھو کس قدر سرخ ہو رہی ہیں۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’آپ غلط سمجھ رہے ہیں مولانا! مجھے اپنی فکر ہرگز نہیں ہے۔ مگر آپ کو ضرور خطرے میں سمجھتی ہوں اور اب آپ کی پوری نگرانی کی جائے گی۔ وہ خبطی واقعی نہ جانے کیا کر گذرے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’اور میرا ارادہ یہ ہو رہا ہے کہ میں اب اس سے دوستی گانٹھوں‘‘۔

نزہت نے بات بھی پوری نہ ہونے دی۔ ’’جی ہرگز نہیں۔ خبردار جو آپ نے اس کو منہ لگایا اس کی حیثیت پاگل کتے کی سی ہے۔‘‘

میں نے نزہت کو سمجھایا۔ ’’پاگل ہوئی ہو۔ اس قسم کے لوگوں سے ڈرنا نہیں چاہئے بلکہ ان سے دلچسپی لینا چاہئے۔ تم ذرا دیکھتی رہو کہ کیسے میرے دوست بنتے ہیں۔ ان عزیز محترم نے تو ایک عجیب دلچسپ مشغلہ سمجھایا ہے مجھے۔‘‘

نزہت نے حیرت سے پوچھا۔ ’’آخر ارادہ کیا ہے آپ کا؟ میں تو پھر یہی کہتی ہوں کہ اس کو تو دفع ہی کیجئے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’میں ان حضرت کا رومان لڑوائے دیتا ہوں۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’رومان؟ وہ کس سے۔ بھلا کس کی شامت آئی ہے کہ وہ شفقت سے رومان لڑانا گوارا کرے گی۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’آج شام کو چائے پر لے چلیں گے تم کو۔ شفقت کی

ہونے والی محبوبہ کے یہاں اس کو دیکھ کر اور اس سے مل کر تم خوش ہو جاؤ گی اور وہ ان صاحبزادے کو ایسا نچائے گی انگلیوں پر کہ یہ بھی یاد کریں گے۔“

نزہت نے بدستور حیرت سے کہا۔ ”عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ بھی۔ مجھے رات بھر آپ کی فکر رہی کہ نہ جانے وہ کم بخت آپ کو موقع پا کر کیا نقصان پہنچاوے اور آپ کو سوجھ رہی ہے دل لگی۔“

میں نے کہا۔ ”رات تک میں بھی سنجیدہ تھا۔ مگر جب سے یہ ترکیب ذہن میں آئی ہے میں بالکل مطمئن ہوں۔ اس قصے میں الجھنے کے بعد وہ میرے دشمن نہیں بلکہ نہایت سعادت آثار مرید نہ بن جائیں تو میرا ذمہ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی توجہ تمہاری طرف سے بھی ہٹ جائے گی ان کو تو دراصل اپنے لئے ایک، جھوٹے یا سچے رومانی سلسلے کی جستجو ہے وہ میں ان کے لئے مہیا کیے دیتا ہوں۔“

نزہت نے بڑے تجسس کے ساتھ پوچھا۔ ”آخر وہ ہیں کون ایسی فالتو جن کو آپ اس حد تک آمادہ کر لیں گے؟“

میں نے کہا۔ ”بھئی وہ ایک ہی بلائے بے درماں ہے اپنے وقت کی۔ میرے ایک عزیز دوست ہیں ہاشم یہ ان کی بیگم صاحبہ کا ذکر ہے۔“

نزہت نے واقعی کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ہائے میرے اللہ شادی شدہ خاتون ہیں وہ۔“

میں نے کہا۔ ”تو کوئی وہ خدانخواستہ ان حضرت سے واقعی دل کا سودا

تھوڑی کرنے بیٹھ جائیں گی۔ یہ تو ان میاں بیوی کا ایک عجیب وغریب شوق ہے کہ اس قسم کے بیوقوفوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور جب کوئی شکار مل جاتا ہے تو اس کے تڑپنے کا تماشہ دیکھتے ہیں۔“

نزہت نے کہا۔ ”کیا بیہودہ شوق ہے۔“

میں نے اس خیال سے کہیں نزہت واقعی ہاشم اور اس کی بیوی جہاں آرا کی طرف سے بدظن نہ ہو جائے۔ ان دونوں کی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کہا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ہاشم اور جہاں آرا دونوں کالج فیلو ہیں اور ان کی یہ شرارت کالج ہی کے زمانے سے چل رہی ہے۔ دراصل ان کی شادی کالج ہی کے زمانے سے طے تھی مگر اس کا کسی کو علم نہ تھا اور کالج کے بہت سے دل پھینک جہاں آرا کے بدولت شاعر تک بن چکے تھے۔ ایک تو جہاں آرا خود ہی کیا کم تھی۔ اس پر طرہ ہاشم کی سازش۔ نتیجہ یہ کہ ایسے ایسے گھاگ احمق بنے ہیں کہ میں کیا کہوں۔“

نزہت نے بڑی شرارت سے پوچھا۔ ”اس فہرست میں آپ کا نام نامی کس نمبر پر تھا؟“

میں نے کہا۔ ”میں اس لئے بچ گیا کہ اس قسم کے موقعوں پر ایک آدھ ہمراز کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ البتہ اتنا احمق ضرور بنا کہ میں ان ہی احمقوں کی فہرست میں مدتوں ہاشم کو بھی سمجھتا رہا۔ اس بدمعاش نے مجھ ایسے دوست کو بھی نہ بتایا کہ اس کی نسبت جہاں آرا سے طے پا چکی ہے۔ البتہ یہ

میں اندازہ ضرور کر رہا تھا کہ ہاشم اس معاشقے میں اپنی فطرت کے خلاف کچھ لئے دیئے سا تھا اور جس طرح دوسرے احمق اپنی سرد آہوں سے محبت کی آئس کریم جمانے میں مصروف تھے یا نہایت تیزی سے شاعر بنتے جا رہے تھے یہ کیفیت ہاشم کی نہ تھی۔"

نزہت نے کہا۔ "خیر وہ طالب علمی اور کھلنڈرے پن کا زمانہ گذر گیا۔ اب تو وہ دونوں میاں بیوی ہیں نا۔ اب اس شرارت کے کیا معنی؟"

میں نے کہا۔ "اب اس شرارت کا ان کو موقع ہی کب ملتا ہوگا۔ ہاشم ڈی ایس پی ہے اور بڑی اکڑفوں سے رہتا ہے مگر اس شرارت پر تو اب میں اس کو آمادہ کروں گا اور اتنا اعتماد مجھے ضرور ہے کہ یہ دونوں تیار ضرور ہو جائیں گے۔ پھر دیکھنا اپنے ان بدھو کی دُرگت۔"

نزہت نے کہا۔ "سچ مچ مزا تو بہت آئے گا مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ مجھے تو اب اس شخص سے کچھ گھن سی آنے لگی ہے۔ اللہ جانتا ہے تحت بور قسم کا آدمی ہے۔"

میں نے نزہت کو یقین دلایا کہ جس کو تم بور سمجھ رہی ہو وہ اس قصے کے بعد اتنا دلچسپ جانور نکلے گا کہ دل سے اس کی قدر کرو گی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بنا بنایا چغد ہم کو اپنے خزانۂ غیب سے عطا کیا ہے تو ہم کو اس کی قدر کرنا چاہئے اور کفران نعمت کا مرتکب نہ ہونا چاہئے۔ بہرحال نزہت سے شام کا پروگرام طے کر کے میں نے اس سے اجازت چاہی کہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا

ہے اور اس کے جانے کے بعد وضو کر کے نماز پڑھی۔ میں ابھی نماز سے فارغ ہی ہوا تھا کہ منشی جی اپنا حقہ لے کر تشریف لے آئے اور مجھ کو ان سے بھی دیر تک سر کھپانا پڑا۔ وہ آج بار بار اسی بات پر زور دے رہے تھے کہ مجھ کو اپنی طرف سے اور نزہت کی طرف سے پوری طرح ہوشیار رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ شفقت کو وہ قطعی غنڈہ قرار دے چکے تھے اور اس کے لئے اپنے ڈنڈے کو تیل پلانا شروع کر دیا تھا۔ منشی جی نے یہ بھی فرمایا کہ اب وہ اپنی واپسی اس وقت تک کے لئے ملتوی کر چکے ہیں جب تک شفقت کا یہ جھگڑا کسی نہ کسی صورت سے طے نہیں پاتا۔ منشی جی ابھی موجود ہی تھے کہ جج صاحب بھی تشریف لے آئے اور ان سے معلوم یہ ہوا کہ آج سب نے طے کیا ہے برک فاسٹ بجائے کھانے کے کمرے کے میرے ہی کمرے میں ہوگا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چچی جان اور اعجاز اور نزہت بھی سب میرے کمرے میں آموجود ہوئے۔ جج صاحب نے کہا۔

مولانا! ہم سب آپ کے مہمان ہیں۔ آج اور آپ کے دسترخوان پر اپنی روزی کھانے کے ارادے سے آئے ہیں۔

مگر چچی جان نے اس شگفتہ جملے کے باوجود کہا۔ بھئی مولانا میں تو سچ پوچھو تو اس لئے آئی ہوں کہ آج سے تم اور نزہت دونوں ساتھ ساتھ کار پر جایا کرو گے۔ نزہت کو کالج چھوڑ کر جایا کرو۔ اور واپسی میں ساتھ لے کر آیا کرو۔ اور ان کی پرنسپل سے آج ہی مل کر کہہ دو کہ کالج میں تمہارے اور نزہت کے

ڈیڈی کے علاوہ اگر کوئی اور آئے تو نزہت کو ہرگز اس سے نہ ملنے دیا جائے۔''

منشی جی نے کہا۔ ''میں تو یہ کہتا ہوں کہ کالج والج سب واہیات بس ہو چکا پڑھنا۔''

جج صاحب نے کہا ''نہیں بھائی صاحب تعلیم تو جاری ہی رہنے دیجئے۔ البتہ اگر ان صاحبزادے نے اپنے حواس درست نہ کئے تو مجھے ان کا باقاعدہ بندوبست کرنا پڑے گا بہرحال آج سے مولانا اور نزہت ساتھ جائیں گے اور ساتھ آئیں گے۔ یہ طے ہے۔

ناشتے کے بعد میں نزہت کو اس کے کالج چھوڑتا ہوا اپنے کالج پہنچ گیا اور ایک ٹیلیفون پر چچی جان کو یقین اور اطمینان دلا دیا کہ نزہت بخیریت کالج پہنچ گئی ہے اور دوسرا ٹیلیفون میں نے ہاشم کو کیا کہ بھئی آج ہم نے اپنی ٹی پارٹی تمہارے یہاں کر لی ہے اور ہم دو مہمان آج تم میاں بیوی پر نازل ہو رہے ہیں اور اس سے قبل کہ ہاشم کسی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ اس کا غائبانہ تعارف نزہت سے کرا دیا کہ وہ میری چچا زاد بہن ہے اور اس کے متعلق تم کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔ ہاشم اور جہاں آرا چاہتے تھے کہ میں اسی وقت بلکہ ٹیلیفون پر ہی ان کے گھر پہنچ جاؤں۔ کسی طرح لائن چھوڑتے ہی نہ تھے۔ مگر میں نے ان سے جلد پیچھا چھوڑا کر چچی جان کو ایک دوسرا ٹیلیفون کر دینا بھی ضروری سمجھا کہ میں نزہت کو کالج سے واپسی پر ایک ٹی پارٹی میں لے کر جا رہا ہوں۔ لہذا ذرا دیر ہو جائے گی۔ وہ متفکر نہ ہوں۔''

(١٧)

جس وقت میں نزہت کے ساتھ ہاشم کے یہاں پہنچا ہوں۔ جہاں آرا اور ہاشم دونوں بے صبری سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی ہاشم دوڑ کر لپٹ گیا اور اس کو یہ بھی ہوش نہ رہا کہ نزہت کو سلام کرتا۔ یہاں تک کہ جہاں آرا کو کہنا پڑا۔''

''یہ بھرت ملاپ تو ہوتا رہے گا۔ وہ بے چاری حیران کھڑی ہیں۔''

میں نے ایک دم چونک کر کہا۔ ''بھئی ہاشم یہ ہیں نزہت میری چچا زاد بہن خیر یہ رشتے وشتے تو ہوتے ہی ہیں۔ ویسے یہ اپنی قسم کی چیز ہیں اور خوش نصیب ہیں کہ اب تک کالج کی زندگی ان کو حاصل ہے اور نزہت ان دونوں کا میں تفصیلی تعارف تم سے کرا چکا ہوں۔ بہرحال یہی ہیں ہاشم اور

جہاں آرا ہاشم‘‘۔

جہاں آرا نے حسبِ معمول شرارت سے کہا۔ ‘‘اتنے تفصیلی تعارف سے بھی آدمی بور ہو جاتا ہے، بہرحال آیئے نزہت بہن بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔’’

ان دونوں کے ساتھ ہم دونوں بھی لان کی طرف بڑھے۔ جہاں نشست اور چائے کا انتظام تھا۔ ہاشم نے چلتے چلتے کہا۔ ‘‘اور میں نے کہا۔ مردِ مومن کیا حال ہے تیری نمازوں کا؟’’

نزہت نے پلٹ کر جواب دیا۔ آپ نے مصلّیٰ بچھوا رکھا ہے یا نہیں بس اب یہ کہنے ہی والے ہیں کہ نماز کا وقت آ گیا۔’’

میں نے کہا۔ ‘‘بھئی ان کے گھر میں چھوٹے بڑے۔ آئے گئے سب مجھ کو مولانا کہتے ہیں۔ یہ بھی مولانا کہتی ہیں۔ ہمارے چچا جان یعنی جج صاحب بھی مولانا کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کے گھر میں جگت مولانا ہے آپ کا یہ نیازمند’’۔

جہاں آرا نے کہا۔ ‘‘ہم لوگ بھی تو ان کو کچھ کہتے تھے۔’’

ہاشم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ‘‘سیدی و مولائی’’ یاد ہے میں نے تو باقاعدہ ان کے دستِ حق پرست میں اپنا ہاتھ دیا تھا اور اس کے بعد سے ہمیشہ ان کو مرشد کہا۔ دعوت ہوئی باقاعدہ۔ قوالی کی محفل گرم ہوئی سعید احمد اور اس کے

ہمنواؤں نے ایسی قوالی سنائی کہ پروفیسر احسان تک وجد میں آ کر گھر سے نکل آئے تھے۔ یار آج کل سعید احمد ہے کہاں؟ کہیں سچ مچ قوال تو نہیں بن گیا’’

میں نے کہا۔ ‘‘جی آج کل ہائی کورٹ میں قوالی سناتا ہے۔ اس نے تو لا کر لیا تھا۔ آج کل بڑی اچھی پریکٹس ہے اس کی۔ مگر ہے بجنسہٖ لفنگا کا لفنگا۔ ایک دن راستہ میں مل گیا تھا کار روک کر لگا وہیں گانے کہ۔

اے ساقیا ساقیا ساقیا

جہاں آرا نے کہا۔ ‘‘بھئی ایک دن سب کو جمع کیا جائے۔’’

میں نے کہا۔ ‘‘تمہارے یہاں تو آنے سے رہا وہ۔ فہرست میں کیا نمبر تھا اس کا؟’’

جہاں آرا نے ہنس کر کہا۔ ‘‘اچھا وہ فہرست۔ عاشق جانباز نمبر ستر ہ تھے یہ حضرت!’’

میں نے کہا۔ ‘‘اچھا تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ آج ہم دونوں کو یہاں آنے کی سوجھی کیسے؟’’

ہاشم نے کہا ‘‘گویا ہم دونوں جو سمجھ رہے ہیں کہ پرانے ساتھیوں کی محبت نے جوش مارا ہے۔ وہ غلط ہے اور اس یادآوری کی خلوص اور یگانگت کے علاوہ کوئی اور ہی وجہ ہے۔’’

جہاں آرا بھی بولیں۔ ‘‘یہ تو ٹیلیفون سن کر دوڑے دوڑے میرے

پاس آئے کہ مرشد کا ٹیلیفون ہے۔ آج اس کو ہم لوگوں کی یاد ستا رہی ہے۔

میں نے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ یاد تازہ کرائی ہے ہم دونوں کے ایک عزیز نے جن کا نام نامی اسم گرامی شفقت ہے۔ خدا کی قسم جہاں آرا ان کو دیکھ کر تم بدر، انجم، شفیق ان سب کو نہ بھول جاؤ۔ تو میرا ذمہ“۔

ہاشم نے کہا۔ ”خیر اور سب کو تو ممکن ہے ہم لوگ بھول جائیں مگر بدر کے پایہ کا احمق ناممکن ہے۔ بھئی وہ تو سچ مچ مر چلا تھا۔ وہ تو کہو کہ شائستہ آڑے آگئی اور اس سے عین عالم نزع میں رومان شروع ہوگیا۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”خیر جہنم میں گئے بدر آپ ان کی بات کیجئے یہ جو شفقت صاحب ہیں۔“

نزہت نے کہا۔ ”بہن ان کی تعریف مجھ سے سنئے۔ یہ میرے حقیقی چچا کے نور نظر واقع ہوئے ہیں اور خیال ان حضرت کا یہ ہے کہ ان کی تخلیق کے بعد خود قدرت نے اپنا ہاتھ چوم لیا تھا کہ واہ کیا چیز بنا دی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”بھئی یہ صاف صاف نہ بتائیں گی۔ مجھ سے سنو۔ یہ برخود غلط لونڈا یہ سمجھتا ہے کہ اس کو اس دور کی لڑکیوں کے لئے موت کا فرشتہ بنا کر پیدا کیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کو ایک نظر دیکھ لے بغیر مرے نہیں رہ سکتی۔“

جہاں آرا نے بڑی آمادگی سے کہا۔ ”تو پھر مرنا چاہئے ان پر کالج کے بعد سے ان مرحومین کے لئے تو جیسے ترس ہی گئے۔“

میں نے کہا۔ ”بات تو سنو۔ خیر سے آپ کا یہ غلام ان بے چاری کا بھی خریدار واقع ہوا ہے اور ہر چند کہ ان کے گھر میں کسی کے دماغ میں یہ فتور نہیں کہ ان حضرت کے متعلق اس قسم کی بات ذہن میں بھی لائی جائے مگر وہ اپنی جگہ یہی طے کئے ہوئے بیٹھے ہیں کہ گویا یہ تو ہیں ہی ان کی اور ان کے علاوہ شغل کے طور پر اپنے حسن جہاں سوز کی بجلیاں ادھر اُدھر بھی گراتے پھرتے ہیں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”ہائے اللہ! ان کو لائیے نہیں ساتھ میں تو ایسے احمقوں کے لئے ترس کر رہ گئی ہوں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”خیر۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ آپ بدر۔ انجم اور شفیق کی طرح کسی کو احمق بنا سکیں۔“

میں نے کہا۔ ”اچھا یہی سہی اگر ہمارا یہ چغد بدر۔ انجم اور شفیق سے اچھی کوالٹی کا نہ ہو تو دام واپس۔“

جہاں آرا نے بڑے اشتیاق سے کہا۔ ”تو لائیے نا ان کو۔ شہاب بھائی ان لوگوں کے بغیر زندگی کچھ عجیب مفلوج سی ہو کر رہ گئی ہے۔ یہی حضرت آجائیں تو ذرا ہماہمی تو پیدا ہو۔“

نزہت نے کہا۔ ”مگر ہاشم بھائی ٹھہرے پولیس آفیسر کہیں وہ کم بخت ڈر نہ جائے کہ ہاتھی سے دان گنا چھینے“۔

جہاں آرا نے کہا۔ ’’یہ تو میرا آرٹ ہے کہ میں ان کو ڈرنے نہ دوں گی ڈریں گے تو وہ جب کہ میں ڈرانا چاہوں۔‘‘

ہاشم نے کہا۔ ’’صاحب یہ تو مجھ کو دودھ کی مکھی کی طرح ایسا پھینکیں گی نکال کر کہ آپ بھی حیران رہ جائیں۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’بھئی یہ صرف ایک دلچسپ ڈرامہ ہی نہ ہوگا۔ بلکہ کارِ ثواب بھی ہوگا کہ اس بے چاری کی جان بچ جائے گی۔‘‘

اور یہ کہہ کر میں نے من وعن ان حضرت کی پوری داستاں جو ان دونوں کو سنائی تو جہاں آرا سے زیادہ ہاشم کو اس بات کا شوق ہوگیا کہ شفقت کی واقعی گت بنانا چاہئے۔ اب تک تو صرف جہاں آرا بار بار یہ کہہ رہی تھیں کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے کالج کے بعد سے ترس کر رہ گئی ہوں مگر یہ داستان سننے کے بعد تو ہاشم بھی شفقت کے لئے بے قرار ہوگیا۔ نزہت کی سادگی ملاحظہ ہو کر جہاں آرا سے پوچھنے بیٹھ گئی کہ:

’’مگر واقعی یہ تو بتایئے کہ آپ سے یہ کیونکر ممکن ہوگا کہ آپ شفقت کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے خود اپنے کو اس امتحان میں ڈالیں۔‘‘

جہاں آرا نے ہنس کر کہا۔ ’’بس یہ نہ پوچھو۔ زندگی بھر صرف اسی فن میں مہارت حاصل کی ہے۔ کالج میں پڑھا لکھا تو خیر واجبی ہی واجبی' البتہ فن احمق سازی میں وہ مہارت حاصل کی ہے کہ بڑے بڑوں کی گت بنا کر

رکھ دی۔ شہاب بھیا وہ یاد ہیں ارجمند جن کو آپ لوگ فرزند ارجمند کہا کرتے تھے۔‘‘

میں نے جوش میں آ کر تالی بجاتے ہوئے کہا۔ ہاں ہاں۔ وہ یاد کیوں نہ ہوتا وہ مردود بھی آجکل پنڈی میں ہے۔ ایک دن مل گیا تھا فوجی وردی میں۔ اس کو دیکھ کر میں نے ایک لفافہ نکال کر اس کے منہ کے قریب جو نچایا تو وہ حیران رہ گیا۔ میں نے کہا کہ معاف کیجئے گا میں آپ کو لیٹر بکس سمجھتا تھا تو ایک دم مجھ کو پہچان کر لپٹ گیا صاحب اب تو وہ میجر ہے۔‘‘

جہاں آرا نے کہا۔ ’’اس کا ایسا چالاک آدمی کس روانی سے ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگا تھا۔ بھئی اللہ کسی طرح ان سب کو ایک ہی مرتبہ جمع کر دیجئے۔‘‘

ہاشم نے بیرے کو آواز دے کر چائے طلب کی اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے ایک گوشے میں جا کر نماز پڑھ لی۔ اب جو میں نماز پڑھ کر لوٹا ہوں تو نزہت ان دونوں سے ایسی گھل مل گئی تھی کہ تینوں ہنسی کے مارے لوٹے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی نزہت نے کہا۔ ’’مولانا یہاں تو واقعی شفقت سلمہٗ ایسے شہید ہوں گے کہ پانی بھی نہ مانگیں۔ خدا کے لئے ان کو جلد سے جلد یہاں پہنچا دیجئے۔‘‘

میں نے چائے کی میز پر حملہ آور ہوتے ہوئے کہا۔ ’’اچھا تو گویا اب

تم کو بھی یقین آ گیا اس مریضِ عشق کے لئے یہی اسپتال مناسب رہے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تو جہاں آرا کا اس معاملہ میں اتنا معتقد ہوں کہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے مگر شکر ہے کہ تم کو بھی اب یقین ہو گیا۔’’ دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور جہاں آرا بار بار یہی کہتی رہی کہ شہاب بھیا! آپ نے یہ بڑا احسان کیا کہ نزہت۔ ایسی بہن سے مجھ کو ملا دیا۔ واقعی یہ بالکل اپنے مطلب کی ہیں۔ خود نزہت کو بھی جہاں آرا بہت پسند آئی اور اس وقت دونوں اس طرح رخصت ہوئیں جیسے نہ جانے کب کے تعلقات تھے۔’’

(۱۸)

شفقت کا قصہ ایسا شروع ہوا کہ منشی جی مع اپنی خصوصیات کے گویا ایک دم پس منظر میں چلے گئے ان کی وہ تمام ناقابل برداشت باتیں جن سے سب پناہ مانگتے تھے۔ اس قصے کی وجہ سے غیر محسوس سی بن کر رہ گئیں۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ اگر پھانس کی تکلیف بہت ستائے تو انگلی کاٹ دیجئے۔ انشاءاللہ پھانس کی تکلیف باقی نہ رہے گی۔’’ یہ دوسری بات ہے کہ کٹی ہوئی انگلی کی اس سے شدید تکلیف پیدا ہو جائے۔ ایک چھوٹی مصیبت گوارا بن جاتی ہے جب اس سے بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے شفقت کے قصے کی وجہ سے اب نہ تو جج صاحب کو اس کا ہوش تھا کہ منشی جی ان کے گول کمرے میں کتنی مرتبہ اپنا حقہ الٹتے ہیں۔ نہ چچی جان کو یہ خیال کہ منشی جی کی وجہ سے سب کو کھانے کی میز چھوڑ کر فرشی دسترخوان پر کھانا پڑتا ہے اور نہ نزہت کو اب منشی جی کی ان باتوں

پر غصہ آتا تھا کہ وہ باورچی خانے میں جا کر کبھی کبھی خانساماں کا حقہ بھی پی آتے ہیں اور بیرے کو اپنے پاس بٹھا کر گھریلو سیاست کے دکھڑے رونا شروع کر دیتے ہیں۔ اب تو اس گھر میں دن رات شفقت ہی کا ذکر تھا اور جج صاحب کو نہ جانے یہ وہم کیوں گھیرے ہوئے تھا کہ شفقت گویا خنجر لئے میری تاک میں پھر رہا ہے جج صاحب کے ملازمین میں سب سے زیادہ قوی ہیکل ان کا مالی تھا۔ چنانچہ اس کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ میرے کمرے کے برآمدے میں سویا کرے بلکہ سویا کرے کہنا بھی غلط ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جاگا کرے۔ اس لئے کہ جج صاحب نے اس سے کہہ دیا کہ دن بھر چاہے جتنا سو لو۔ مگر خبردار جو رات کو تمہاری آنکھ لگی۔ چنانچہ وہ کم بخت نہ خود سوتا تھا نہ مجھ کو سونے دیتا تھا۔ محض یہ جتانے کے لئے کہ جاگ رہا ہے وہ کبھی تو نہایت خوفناک طریقہ پر کھنکھارتا تھا۔ کبھی نہایت بد آوازی کے ساتھ فلمی گانوں کا کچومر بنا رہا ہوتا۔

جب تم ہی چلے پردیس لگا کر ٹھیس تو۔ ہوا میں اڑتا جائے میرا لال
دوپٹہ ململ کا۔ ہو جی، ہو جی۔ دھک دھک جیا کرے دھک
لارے لپا لارے لپا لائی رکھدا، کیا مل گیا بھگوان غریبوں کو ستا کے
لارے لپا لارے لپا لائی رکھدا۔ آئے گا۔ آئے گا۔ آنے والا

کئی مرتبہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے جج صاحب سے بھی کہا مگر وہ نہ مانے چچی جان تو چاہتی تھیں کہ دو تین محافظ اور مقرر کر دیئے

جائیں اور جب نزہت سے کہا تو اس نے اور بھی ڈرایا کہ اچھا اگر آپ مالی نہیں چاہتے تو خالو جان سے کہہ دوں گی۔ وہ آپ کے کمرے میں سو جایا کریں گے۔ یہ دھمکی اتنی شدید تھی کہ موجودہ حالت ہی غنیمت نظر آئی اور آخر ترکیب یہ نکالی کہ مالی سے دوستی پیدا کر کے اس کو سمجھا دیا کہ جج صاحب کو تو وہم ہو گیا ہے تم کیوں خواہ مخواہ اپنی نیند حرام کرتے ہو۔ اطمینان سے سو جایا کرو کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ پہلے تو اس نے تکلف سے کام لیا مگر ایک آدھ دن کے بعد وہ رفتہ رفتہ سونے لگا۔

ادھر مجھ کو مسلسل انتظار تھا کہ شفقت کی طرف سے کوئی نامہ و پیام ہو تو میں ان کو ہاشم کے یہاں مدعو کروں۔ مگر وہ حضرت نہ جانے کس فکر میں ایسے خاموش تھے کہ ان کا پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ آخر ایک دن جب میں کالج سے واپس ہونے کے لئے پر تول ہی رہا تھا کہ وہ مجھ کو نظر آ گئے اور قبل اس کے کہ وہ اپنے آپ کو اس جھاڑی میں چھپا لیں جن میں چھپنے کی وہ کوشش فرما رہے تھے میں نے ان کو پکار لیا۔

’’شفقت صاحب! میں ادھر ہوں۔ آپ اُدھر کیوں جا رہے ہیں؟‘‘

وہ نہ جانے کس ارادے سے تشریف لائے تھے کہ میری آواز پر کچھ چور سے بن کر رہ گئے اور نہ جانے کیا بہانہ کرنے والے تھے کہ میں نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ میں تو خود آپ کی تلاش میں تھا۔ بہت سی غلط فہمیاں دور کرنا تھیں۔ بہت سے پروگرام طے کرنا تھے۔ مگر نہ آپ کو جج صاحب کے

یہاں بلا سکتا ہوں نہ یہ باتیں کالج میں ہو سکتی ہیں۔“

چونکہ خود اس کا دل چور تھا۔ لہٰذا وہ اس کو بھی سازش سمجھ کر بولا۔

کوئی غلط فہمی نہیں اور نہ میں آپ سے کوئی تفصیلی بات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ کو میرا خط ملا تھا؟“

میں نے کہا۔ ”خط ملا تھا مگر جواب کس پتے پر دیتا؟“

اس نے کہا۔ ”جواب کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ سب سے بڑا جواب تو یہ تھا کہ آپ وہاں سے چلے گئے ہوتے۔“

میں نے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کو آخر کس طرح یقین دلاؤں کہ آپ مجھ کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں وہاں سے آج جانے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھ سے تبادلۂ خیال کرنے کے بعد بھی یہی رائے دیں۔

شفقت نے مجھ کو مشکوک نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ”تو کر لیجئے تبادلہ خیال۔ آخر یہاں بات کرنے میں کیا نقصان ہے؟“

میں نے اس کے شک کو ایک حق بجانب حماقت سمجھتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو آیئے۔ اسی سبزہ زار پر بیٹھ جائیں۔“

وہ اپنے سے ہوشیار اور مجھ سے خبردار میرے ساتھ آکر سبزہ زار پر بیٹھ گیا تو میں نے اس کو نہایت نرمی اور مٹھاس کے ساتھ سمجھایا کہ میں اس کا کسی رنگ میں حریف نہیں ہوں بلکہ اگر وہ چاہے تو خود اس کی مدد کرنے کو تیار

ہوں۔ رہ گیا میرا جج صاحب کے یہاں رہنا۔ اس کا سلسلہ میں نے ختم کرنے کی کئی مرتبہ کوشش کی ہے اور اب بھی کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے اس سے براہِ راست سوال کیا۔ ”اچھا یہ بتایئے شفقت صاحب آپ نے میرے کس رویہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ میری توجہ نزہت کی طرف ہے۔“

شفقت اتنی دیر میں ایک حد تک نرم پڑ چکا تھا۔ اس نے کہا۔ ”آپ کی توجہ نہ سہی مگر ان لوگوں کی وجہ آپ کی طرف ہے۔“

میں نے کہا۔ ”عقل مند آدمی تم کو مجھ سے نہیں بلکہ اعجاز سے ڈرنا چاہئے جو واقعی تمہارا حریف ہے اور تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اعجاز کے والد منشی امتیاز علی صاحب آجکل اسی لئے یہاں آئے ہوئے ہیں کہ وہ تمہاری عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اعجاز کے لئے راہ ہموار کریں۔“

شفقت نے جوش میں آکر کہا۔ ”یہ ناممکن ہے میرے مقابلے میں اعجاز کامیاب نہیں ہو سکتا۔“

میں نے کہا۔ ”مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ میرا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ نزہت کی اور میری معاشرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود میری توجہ ادھر نہیں ہے۔ آپ وہاں سے غائب ہیں لہٰذا وہ بلا مقابلہ گویا منتخب ہو جائے گا۔“

یہ تیر ایسا نشانے پر بیٹھا کہ شفقت تلملا ہی تو گیا۔ ”میری زندگی میں اعجاز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کو میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا۔ نزہت

کے قریب جانے کے لئے یا خود میں اس کے سہرے کو اس کی قبر کی چادر بنا دوں گا۔"

میں نے کہا۔ "برادرم! جوش میں آنے کی بات نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ آپ مجھ سے الجھے رہیں گے اور منشی امتیاز علی اپنے بیٹے کے لئے راہ ہموار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جج صاحب چچی جان کے کس حد تک قبضے میں ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اعجاز چچی جان کی بہن کا لڑکا ہے۔ گھٹنے ہمیشہ پیٹ کی طرف جاتے ہیں۔"

شفقت نے کچھ غور کرتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے کیسے یقین آئے کہ باوجود اتنا سخت خط پڑھنے کے جو میں آپ کو لکھ چکا ہوں مجھے آپ کی دوستی حاصل ہو سکتی ہے۔"

میں نے کہا اگر آپ برا نہ مانیں تو عرض کروں کہ میں آپ کے اس سخت خط یا آپ کے اس خطرناک ارادے سے جو آپ کو یہاں لیا ہے ذرا بھی متاثر نہیں ہوں۔ اس لئے کہ میں آپ کو غلط فہمی کا مریض سمجھتا ہوں۔"

شفقت نے کہا۔ "یہ واقعہ ہے کہ میں آپ ہی کو اپنا مد مقابل سمجھ رہا تھا۔"

میں نے کہا۔ "قطعاً نہیں۔ اب آپ ہرگز ادھر کا رخ بھی نہ کریں بلکہ مجھ کو موقع دیں کہ میں آپ کے لئے فضا کو سازگار بنانے کی کوشش کروں اور پھر اگر مناسب ہو۔ تو آپ کو لے جا کر سب سے ملا دوں۔"

شفقت نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "ان سب باتوں سے پہلے مجھ کو

معاف کر دیجئے۔ بخدا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ اتنے اونچے آدمی ہیں۔ اور دراصل یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ باوجود میری ان زیادتیوں کے آپ اس محبت سے مجھ کو سمجھا رہے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "دیکھئے شفقت صاحب! یہ محبت نہیں ہے بلکہ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ ایک شخص میری طرف سے خواہ مخواہ بدظن نہ رہے۔ اگر وہ مقصد پورا ہو گیا ہے تو سبحان اللہ ورنہ بدگمانی اور وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہ تھا۔"

شفقت نے نہایت ندامت سے مجھ کو اپنا ہمدرد تسلیم کر لیا اور میں اس کو دوسرے دن اسی وقت کالج بلا لیا تاکہ تفصیلی باتیں ہو سکیں۔

(۱۹)

جس وقت میں نے نزہت کو اپنی اور شفقت کی اس ملاقات کا حال سنایا ہے وہ حیرت سے میرا منہ تک رہی تھی کہ میں ایسا چار سو بیس بھی ہو سکتا ہوں۔ مگر میں نے اس کو سمجھایا کہ اس میں چار سو بیس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ واقعی جس معاملے میں شفقت مجھکو اپنا حریف سمجھتا ہے، میں اس کے مقابلے پر نہیں ہوں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس خاص معاملے میں اس کو اگر کسی کو حریف سمجھنا چاہئے تو وہ اعجاز ہیں جن کے والد محترم کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس گتھی کو سلجھا کر باقاعدہ نسبت کا ذکر چھیڑیں۔

نزہت نے ہنس کر کہا۔ ’’غالباً آپ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ باتیں آپ اس زمانے میں کر رہے ہیں۔ جب لڑکیاں منجملہ مویشی نہیں ہوتیں کہ ان کو جہاں سے جی چاہے ہنکا کر جہاں جی چاہے باندھ دیا جائے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’جی ہاں آجکل کی لڑکیاں اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کی بھی کوئی رائے اور اس رائے کا کوئی وزن ہوتا ہے مگر واقعہ صرف یہ ہے کہ لڑکی اس زمانے میں بھی ایک بے زبان جانور ہے۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’میری تو سمجھ میں آتا نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڈی یا ممی میری مرضی کے خلاف یعنی۔ گویا۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’دیکھ لو آخر ہکلا گئیں نا۔ یہ گویا اور یہ یعنی کیا ہے یہ ایک لڑکی کی زبان ہے۔ اس لڑکی کی زبان جو باپ کو ابا نہیں بلکہ ڈیڈی کہتی ہے۔ جو ماں کو اماں نہیں بلکہ ممی کہتی ہے۔ مگر اپنی شادی کے ذکر پر آج بھی اس کی زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’یہ دوسری بات ہے مولانا۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’اپنے کو دھوکا نہ دو نزہت یہ دوسری نہیں بلکہ پہلی ہی بات ہے اگر چچا میاں اور چچی جان واقعی اعجاز سے متاثر ہو جائیں تو وہ اپنی تمام مغربیت بھول کر اس مشرقی انداز میں تم سے اپیل کریں گے اور اپنی خاندانی روایات کے ایسے ایسے حوالے دیں گے کہ تم خواہ اپنی رائے میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ڈیڈی اور ممی ایسی دقیانوسی باتوں کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’خدا کرے وہ نہ دیکھیں لیکن اگر انہوں نے خواب

دیکھا لیا تو تعبیر تم کو دیکھنا پڑے گی۔"

نزہت نے کہا۔ "یہ آپ کو شبہ کیسے ہو گیا کہ ڈیڈی یا ممی دونوں یہ کمزوری دکھا سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "تم کو معلوم ہے کہ منشی جی سے میرے کیسے مراسم رہے ہیں۔ تم سب ان کو محض ایک اُجڈ سمجھتی ہو۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ وہ نہایت کائیاں ہیں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ چچا میاں اور چچی دونوں پر ان کا کافی رعب ہے۔"

نزہت نے کہا کیا خاک رعب ہے۔

میں نے کہا۔ "کیا کہا خاک رعب ہے کسی کے سامنے کہنا بھی نہیں ورنہ لوگ اس کو خاکروب سن لیں گے۔"

نزہت نے ہنس کر کہا۔ "خدا بچائے آپ سے بھی کیا بات پیدا کر دی ہے کہ خالو جان سنیں تو سمجھیں کہ واقعی میں نے خاکروب کہا ہوگا۔ بہر حال چھوڑیئے اس ذکر کو۔ یہ محض آپ کا وہم ہے۔ اعجاز ہوں یا شفقت یہاں اس قسم کے لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں تو یہ کہیے کہ آپ نے ان حضرت کو شیشے میں اتار لیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اب آج وہ کالج پہنچے گا۔ اور میں اس کو ہاشم اور جہاں آرا کے سپرد کر آؤں گا۔"

نزہت نے کہا۔ "مگر ایک بات کان کھول کر سن لیجئے کہ میں اس کے

سامنے جانا نہیں چاہتی۔ براہ کرم مجھے ان حضرت سے دور ہی رکھیے گا۔"

میں نے کہا۔ ہاں فی الحال تم اس کے سامنے نہیں آؤ گی۔ میں پہلے تم کو گھر پہنچا جاؤں گا۔ اس کے بعد واپس جا کر کالج میں ان سے ملوں گا۔ اور ان کو لے کر ہاشم کے یہاں چلا جاؤں گا۔"

چنانچہ میں نے اسی پروگرام پر عمل کیا کہ کالج سے واپسی پر پہلے نزہت کو گھر پہنچایا۔ اس کے بعد پھر کالج پہنچ کر میں نے شفقت کو ساتھ لیا۔ اور ہاشم کے یہاں جا پہنچا۔ ہاشم کو اس پروگرام کی اطلاع پہلے ہی فون پر کر دی تھی۔ چنانچہ وہاں شفقت کے خیر مقدم کے انتظامات مکمل تھے اور انتظام ہی کیا ہونا تھا۔ سوائے اس کے کہ جہاں آرا نہایت ہوش ربا انداز سے بظاہر سادہ مگر دراصل نہایت پرکار بنی ہوئی نظر آئی۔ بالوں میں پھول لگائے مونگیا رنگ کی ساڑھی میں اپنے سبزہ زار پر وہ واقعی قدرت کا شاہکار بنی بیٹھی تھی۔ ایک تو کم بخت ہے ہی بلا کی جاذب نظر پھر جب وہ خود دانستہ اپنے میں جذب پیدا کرے تو ہوش و حواس کو قابو میں رکھنا مشکل ہی ہو جاتا ہے۔ بہر حال ہاشم نے بڑھ کر ہم لوگوں کا خیر مقدم کیا۔ میں نے شفقت کا تعارف پہلے ہاشم سے پھر جہاں آرا سے کرایا اور شفقت کو بتا دیا کہ صرف یہی دو میرے ایسے دوست یا عزیز ہیں جن سے میں اپنا دکھ سکھ کہہ سن لیتا ہوں اور تم بھی ان پر ایسا ہی اعتماد کرو کہ گویا یہی تمہارے ہمدرد ہیں۔"

جب تو یہ تعارفی رسم ادا کرنے کے بعد عصر کی نماز کے لئے وہاں سے

چلا گیا۔ مگر جب واپس آیا ہوں تو ان دونوں سے شفقت کے اتنے مراسم پیدا ہو چکے تھے کہ شفقت خود اپنی نفاست طبع پر روشنی ڈال رہے تھے کہ۔

”صاحب! مجھے تو اس کا خبط ہے کہ انسان کا پہلی نظر میں اندازہ اس کے لباس سے ہوتا ہے اگر لباس میں سلیقہ اور نفاست سے کام نہیں لیا گیا ہے تو یقیناً وہ شخص نفیس طبع نہیں ہے۔“

جہاں آرا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ تو ہے۔ اللہ جانتا ہے شفقت صاحب میری آنکھیں آشوب کر آتی ہیں۔ جب میں کسی کو بے ڈھنگے لباس میں دیکھتی ہوں اور قسمت ایسی پائی ہے کہ دنیا کا سب سے بے ڈھنگا انسان پالے پڑا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”کیا بات ہے۔ یہ کس کا ذکر ہے؟“

جہاں آرا نے کہا۔ ”جناب کے محبِ مکرم ہاشم صاحب کا ذکر خیر ہے۔ ذرا حلیہ ملاحظہ ہو۔ سوٹ کے لئے ہرا رنگ بھی کوئی رنگ ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ قد آدم ہری مرچ کھڑی ہے سامنے۔ آخر شفقت صاحب بھی تو ہیں جی خوش ہو گیا۔ یہ سلیقہ دیکھ کر سرمئی سوٹ ہے اس پر کس قیامت کے میچ کی ٹائی باندھی ہے۔ پھر موزے، رومال، میں کس کس چیز کا ذکر کروں۔“

میں نے کہا۔ ”بھئی یہ سلیقہ تو ہمارے شفقت بھائی پر ختم ہے۔ ایک تو خوش پوشاک ہیں دوسرے خدا نظر بد سے بچائے بلا کے جامہ زیب بھی ہیں کہ جو پہن لیا وہ سج گیا۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”ہاں یہ چھب بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے شفقت صاحب! آپ نے کبھی اپنا مشرقی لباس بھی زیب تن کیا ہے؟“

شفقت نے سنجیدگی سے کہا۔ ”جی ہاں اکثر شیروانی بھی پہنتا ہوں۔ چوڑی والا پاجامہ اور شلوار دونوں استعمال کرتا ہوں۔“

ہاشم نے کہا۔ ”مگر شفقت صاحب معاف کیجئے گا۔ یہ سوٹ یا تو کسی نہایت فنکار درزی نے سیا ہے ورنہ ولایت کا سلا ہوا ہے۔“

شفقت نے کہا۔ جی نہیں ولایت کا تو نہیں مگر درزی البتہ ذرا اونچے قسم کا ہے جو کپڑے سے کہیں زیادہ گراں سلائی لیتا ہے۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”میں کہتی ہوں۔ بعض جسم ہی ایسے ہوتے ہیں کہ کپڑا ان پر آ کر سج جاتا ہے۔ آپ درزی کی جگہ موچی سے سوٹ سلوا کر پہن لیں مگر میرا دعویٰ ہے کہ آپ پر اچھا معلوم ہوگا۔ اور ان حضرت کو ولایت سے سلوا کر منگا دیا جائے سوٹ اگر کبھی ان پر اچھا معلوم ہو تو میرا ذمہ۔“

شفقت نے غور سے ہاشم کو دیکھ کر کہا۔ ”نہیں خیر ایسا بے ڈھنگا جسم تو نہیں ہے۔“

جہاں آرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”ہائے میرے اللہ یہ بے ڈھنگا جسم نہیں ہے آپ نے بھی اخلاق کی حد کر دی۔ ہاتھ چھوٹے ہیں۔ پیر بڑے ہیں۔ ذرا گردن ملاحظہ ہو، معلوم ہوتا ہے اونٹ کی کوئی فالتو گردن پڑی ہوئی تھی وہ کسی کام چور فرشتے نے ان کے جسم پر فٹ کر دی۔ جسم اس کو کہتے ہیں جو

آپ کا ہے۔ آپ ورزش تو نہیں کرتے شفقت صاحب!"

شفقت نے کہا۔ "جی نہیں یہ تو قدرتی جسم ہے۔"

جہاں آرا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "ہائے میرے اللہ غیر قدرتی ہوتا تو کیا قیامت ہوتا۔"

اور اسی طرح اس سنجیدگی اور متانت سے پہلے ہی دن جہاں آرا نے ایک تو یہ ثابت کر دیا کہ اس کو اپنا میاں گویا پھوٹی آنکھ نہیں بھاتا۔ دوسرے شفقت جس بات کے لئے مدت سے ترس رہے تھے کہ کوئی ان کا اس جامہ زیبیٔ اس چھب اور غارت گری کی داد دے۔ وہ بھی ان کو مل گئی۔ پھر یہی کیا ان کے گفتگو کے سلیقے کی جہاں آرا نے داد دی۔ ان کی ذرا ذرا سی بات پر خواہ وہ کتنی ہی نامعقول کیوں نہ ہو؟ جہاں آرا نے تحسین و آفریں کے وہ ڈونگرے برسائے کہ شفقت اپنے متعلق جن غلط فہمیوں میں مبتلا تھے ان کے علاوہ کئی اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر وہاں سے واپس آئے اور راستے بھر میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے ان کو بہت اچھے لوگوں سے ملا دیا۔

(۲۰)

اب میرا روز کا یہ معمول بن چکا تھا کہ نزہت کو لے کر کالج جانا۔ نزہت کو لے کر کالج سے آنا۔ پھر شفقت کے لئے کالج جانا اور شفقت کو لے کر ہاشم کے یہاں پہنچنا پھر وہاں سے واپس آ کر نزہت کو تمام رپورٹ دینا کہ آج شفقت پہ کیا گذری۔ شفقت کا یہ عالم کہ اس نے اپنی غارتگری کے کمالات کی واقعی انتہا کر رکھی تھی۔ ایک سے ایک اعلیٰ درجے کا سوٹ کبھی شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ ہے تو کبھی شیروانی اور شلوار ہے اور اہتمام یہ ہوتا تھا کہ گویا آج کل اس کا زیادہ وقت اپنی زیب و زینت ہی پر صرف ہوتا ہے۔ چہرے سے لے کر جوتے تک ہر چیز چمچماتی ہوئی اور یہ اہتمام کیوں نہ ہوتا۔ اس کو تو یقین ہو چکا تھا کہ اس نے جہاں آرا کو بُک کر رکھا ہے۔ اور ہاشم سے عاجز آئی ہوئی جہاں آرا اس پر واقعی لٹو ہو چکی ہے، ایمانداری کی بات یہ ہے

کہ یہ تو خیر شفقت تھے اس معاملے میں تو بڑے بڑے منہ کی کھا جاتے ہیں۔ شفقت تو خیر پھر بھی صورت شکل کا برا نہ تھا سوائے اس کے کہ اس کے چہرے پر ایک غیر مرئی بورڈ یہ ضرور لٹکا ہوا تھا کہ ''میں بے وقوف ہوں'' حماقت واقعی جھما جھم برستی تھی رخِ روشن پر۔ مگر یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ مسور کی دال کھانے والے آئینے میں اپنا منہ نہیں دیکھتے۔ یا آئینہ دیکھتے ہیں تو آئینہ بھی ان سے جھوٹ بول جاتا ہے اور وہ اپنے چہرے کی ہر ممکن پھٹکار کو کریم اور اسنو کے پردوں میں اور خوش لباسی کے برقعوں میں چھپا کر اس طرح نکلتے ہیں گویا اب جو یہ سر بازار چلیں گے تو عالم یہ ہوگا کہ۔

شور ہر سمت اٹھا مار چلا مار چلا

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو محبت کرنے سے زیادہ محبوب بننے کی حماقت میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو اسی غلط فہمی کے سہارے جیتے ہیں کہ ان پر مرنے والے موجود ہیں شفقت کی سب سے شہ زور کمزوری یہی تو تھی کہ وہ اپنے کو جان عالم سمجھتے تھے۔ جہاں آرا کو بھی دراصل اسی قسم کے جانوروں کو پالنے کا شوق تھا اور کالج کے زمانے سے یہ اس کی ہابی تھی۔

آج میں کالج کے اسٹاف روم میں پہنچا ہی تھا کہ چپراسی نے مجھ کو ہاشم کے گھر کا فون نمبر دیا کہ ٹیلیفون کر لیجئے میں نے فون کیا تو جہاں آرا بول رہی تھی اس نے میری آواز پہچانتے ہی کہا۔ ''شہاب بھائی میں نے اس لئے فون کیا تھا کہ بھئی مزہ نہیں آ رہا ہے اس قصے میں اور غور کرنے کے

بعد اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ میری موت یا میرے مرحوم شفقت صاحب کو در اصل کھیل کھیلنے کا موقع ہی نہیں مل رہا ہے وہ دل ہی دل میں گھٹ رہے ہیں اور ان کو اظہار جذبات کا موقع نہیں ملتا۔ محض آپ کی اور ہاشم کی موجودگی کی وجہ سے۔''

میں نے بات کاٹ کر کہا۔ ''تو گویا بیگم صاحبہ آپ یہ دُعا کر رہی ہیں کہ۔

رات کے وقت مے پیے' ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے' پر نہ کرے خدا کہ یوں

جہاں آرا نے چیخ کر کہا۔ اے واہ! ماشاء اللہ۔ مزاج تو اچھے ہیں۔ گویا جناب کو بھی اس کے رقیب ہونے کی خوش فہمی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''میں نہیں بابا بلکہ ہاشم' ہاشم سے بڑا رقیب اور کون ہو سکتا ہے۔''

جہاں آرا نے کہا۔ ہاں تو میری رائے یہ ہے کہ آج آپ دونوں بظاہر غائب ہوں گے اور وہ مجھ سے تنہائی میں ملیں گے۔''

میں نے کہا۔ ''مطلب یہ کہ میں ساتھ نہ آؤں''۔

جہاں آرا نے ڈانٹ کر کہا۔ ''تالو سے زبان لگا کر پہلے میری بات تو سن لو۔ پروگرام یہ ہوگا کہ آپ ان کو ساتھ لائیں گے۔ پھر ہاشم آپ کو ساتھ لے کر چلے جائیں گے اور میں اس بت کافر کو روک لونگی۔ ہاشم آپ کو لے کر

ایک دروازے سے جائیں گے اور دوسرے دروازے سے کھانے کے کمرے میں پہنچا دیں گے۔ وہاں آپ دونوں کی حیثیت خاموش تماشائی کی ہوگی۔''

میں بھی اس پروگرام پر اچھل پڑا۔ اس لئے کہ یہ واقعہ تھا کہ میری اور ہاشم کی موجودگی میں شفقت اپنی حماقت کے تمام جوہر مشکل ہی سے دکھا سکتا تھا نہ جانے وہ کیا کیا ارمان دل میں لئے آتا ہوگا اور دل کی دل ہی میں لئے واپس چلا جاتا ہوگا۔ حالانکہ ضرورت اس کی تھی کہ اس سراپا دل کے ساتھ ہم پسابان عقل ہمیشہ تو خیر رہتے ہی ہیں۔

لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دیں

ورنہ اس کھیل سے کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ میں نے اس پروگرام کی پوری تائید کی بلکہ جہاں آرا سے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ایسا پروگرام بن رہا تو میں نزہت کو بھی بجائے کالج سے گھر پہنچانے کے تمہارے گھر چھوڑ جاؤں گا تا کہ وہ بھی یہ تماشا دیکھ لے۔ جہاں آرا نے بھی یہ تجویز مناسب سمجھی۔ چنانچہ اپنے کالج سے اٹھ کر میں نے پہلے نزہت کو یہ تمام پروگرام سمجھا کر ہاشم کے گھر پہنچایا اور پھر کالج واپس آ کر شفقت کا انتظار شروع کر دیا جو عموماً گھڑی کی سوئی کے ساتھ ٹھیک ساڑھے چار بجے پہنچ جایا کرتے تھے۔ آندھی آئے یا طوفان ان کا چار بجکر تیس منٹ پر پہنچنا برحق۔ چنانچہ آج بھی جیسے ہی ساڑھے چار بجے شفقت حسب معمول خوشبوؤں میں بسے بنے ٹھنے آ موجود ہوئے اور پہلے رومال سے منہ پونچھا۔ پھر شومال سے جوتا

صاف کیا اور بالوں پر ایک ہاتھ پھیر کر بولے۔ ''تو چلئے نا مولانا!''

میں نے کہا ''یا میں آج اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ ہم دونوں کا روز روز وہاں جانا کہیں کھل نہ جائے۔ ہاشم اور جہاں آرا کو۔''

شفقت نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''اجی نہیں توبہ کیجئے۔ آپ کے ہاشم صاحب کے متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا البتہ جہاں آرا کا تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ اگر ہم ناغہ کر جائیں تو شاید وہ بہت اداس ہو۔ کل بھی مجھ سے پکا وعدہ لے لیا تھا کہ ٹھیک پانچ بجے یہاں پہنچ جائیں آپ۔''

میں نے کہا۔ ''شفقت بھائی تم تو یار جادوگر نکلے۔ ایسا مسحور کیا ہے اس لونڈیا کو میں کیا کہوں؟''

شفقت نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ ''نہیں خیر۔ وہ خود بھی نہایت خوش مزاج اور بے حد خلیق ہیں۔''

ہم دونوں اسی قسم کی باتیں کرتے جس وقت ہاشم کے یہاں پہنچے۔ تو ہاشم نے لپکتے ہوئے کہا۔ ''بھئی اب تو تم چائے وائے پیو نہیں مولانا میں احسن کو وقت دے چکا ہوں۔ اس سے ملنا بے حد ضروری ہے میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ پہلے اس کے گھر چلو۔ آیئے شفقت صاحب آپ بھی چلئے۔''

جہاں آرا نے بیزاری کے ساتھ کہا۔ ''تم جو بات کرو گے بیوقوفی کی کرو گے۔'' شفقت صاحب وہاں جا کر کیا کریں گے؟ بلایا ہے تم دونوں کو''

شفقت نے بغیر سمجھے بوجھے کہا۔ جی ہاں! میں میں خود یہاں ٹھہرنا

مناسب سمجھتا ہوں۔"

ہاشم نے جہاں آرا سے کہا۔ "تو شفقت صاحب کو تم ذرا ڈھنگ سے چائے پلا دینا۔"

جہاں آرا نے تیکھے انداز سے کہا۔ "آپ کے مشورہ کا شکریہ آپ تشریف لے جائیں۔"

اور جب ہاشم مجھ کو لے کر کھانے کے کمرے میں گیا تو نزہت ہم دونوں کے لئے چائے بنا چکی تھی۔ ہم دروازے کے قریب آ کر بیٹھ گئے جس کے سامنے ہی جہاں آرا اور شفقت دونوں کا انداز یہ نظر آ رہا تھا کہ۔

محبوب ہیں پیالش داماں میں لگے ہیں

آخر جہاں آفرا نے بات چھیڑتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ناگوار تو نہیں ہوا کہ میں نے آپ کو روک لیا۔"

شفقت نے عجیب نشیلی آنکھیں بنا کر کہا۔ "کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ یہ ناگوار ہونے کی بات تھی یا آپ نے میرے دل کی بات کی ہے یہ"

جہاں آرا نے بڑی محبوبیت سے کہا۔ "آپ کا دل بھی چاہ رہا تھا کہ آپ کو میں روک لوں؟ آخر کیوں؟ کیوں چاہ رہا تھا آپ کا دل۔"

شفقت غالباً اس براہ راست سوال کے لئے تیار نہ تھا بوکھلا کر بولا۔ "جی وہ بہرحال میں صاف کیوں نہ کہوں کہ میں تو یہاں صرف آپ کی وجہ سے آتا ہوں۔ مجھے کسی احسن و حسن سے کیا دلچسپی۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "آپ میری وجہ سے آتے ہیں؟ اور یہ کہہ کر اس بلائے بے درماں نے نہایت کامیاب اداکاری کرتے ہوئے اپنا نڈھال سر کرسی کی پشت سے لٹکا لیا۔ پہلے خاموش رہی پھر ایک آہ بھر کر بولی۔ "کاش! آپ اب بھی نہ ملے ہوتے مجھے۔ اگر آپ ہاشم سے پہلے مجھ کو نہ مل سکے تو اب کیوں ملے ہیں۔ جب قدرت کی ستم ظریفی میری زندگی کو ایک مسلسل اور جیتی جاگتی موت بنا چکی ہے۔"

اس چغد نے بڑے فاتحانہ انداز سے کہا جی ہاں یہ انداز تو مجھ کو بھی ہو چکا ہے کہ آپ بڑی المناک زندگی بسر کر رہی ہیں۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "شفقت صاحب! خدا جانے کتنی بے زبان لڑکیاں اپنے والدین کی مرضی پر اسی طرح قربان ہو کر رہ جاتی ہیں اور معاشرہ کا ان سے مطالبہ ہوتا ہے کہ۔

موت کو بھی زندگی کہہ کر گوارا کیجئے

شفقت نے کہا۔ "آپ اپنی جگہ یہ محرومی لئے بیٹھی ہیں اور میں یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ دیکھئے نا بہرحال میں بھی تو انسان ہی ہوں۔"

جہاں آرا نے منہ میں رومال ٹھونستے ہوئے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ شفقت تم سب کچھ ہو چکتے ہو۔ مگر انسان نہیں۔"

اور یہاں یہ حال کہ ہم تینوں کے ہاتھ میں چائے کی پیالیاں جلترنگ بجا کر رہ گئیں۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا مگر ہاشم تو واقعی بدھو نکلے،

اتنی زور سے ہنسے ہیں کہ جہاں آرا کو سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہنا پڑا۔ ''وہ لوگ آ گئے شاید۔''

اور اس کے بعد نزہت کو وہیں چھوڑ کر ہم دونوں بھی اسی کمرے میں آ گئے جہاں شفقت اور جہاں آرا اب گویا ٹھیک ہو چکے تھے۔''

(۲۱)

اب گویا روزانہ یہ ہونے لگا کہ پہلے نزہت کو ہاشم کے گھر پہنچایا۔ پھر جا کر شفقت کو لے آئے اور کسی نہ کسی بہانے سے شفقت کو جہاں آرا کے پاس تنہا چھوڑ کر کھانے کے کمرے میں آ گئے۔ ہاشم کو اس روز ہنسنے پر ایک ٹی پارٹی جرمانہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا اب وہ بھی محتاط رہتا تھا۔ اور ہم سب نہایت خاموشی کے ساتھ اس رومانی ڈرامہ کا سیریل دیکھ رہے تھے۔ مگر اب نزہت کے خالو جان منشی امتیاز علی صاحب نے ناک میں دم کر رکھا تھا کہ یہ آخر تم دونوں غائب کہاں رہتے ہو اور اگر سچ پوچھئے تو ان کی یہ پریشانی تھی بھی حق بجانب۔ اس لئے کہ ایک دو دن کا قصہ ہو تو وہ چپ بھی رہیں۔ مگر یہاں تو معمول ہی یہ بن گیا تھا کہ صبح جو کالج گئے تو رات کے کھانے پر ملاقات کی نوبت آتی تھی بلکہ ایک دن تو جج صاحب نے بھی کھانے پر یہی ذکر چھیڑ دیا

کہ ”بھئی مولانا تمہاری غیر حاضری بہت شدت سے محسوس ہو رہی ہے اور بھائی صاحب تو سخت نالاں ہیں۔“

عرض کیا۔ ”جی ہاں یہ شکایت حق بجانب ہے مگر قصہ یہ درپیش ہے کہ وہ شیطان یہاں ڈی۔ ایس پی بن کر آ گیا ہے۔ ہاشم، خیر اگر وہ تنہا ہوتا تو پھر بھی مفر کی کوئی نہ کوئی صورت ممکن تھی مگر اس کی بیوی جہاں آرا سخت واقع ہوئی ہے۔“

منشی جی نے بات کاٹ کر کہا۔ ”یعنی بیوی خطرناک ہے وہ کس معنی میں؟ عرض کیا صاحب اس معنی میں کہ یہ دونوں میاں بیوی ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ برسوں ساتھ رہا ہے۔ اب اتفاق سے ایک ہی شہر میں سب جمع ہو گئے ہیں تو اسی کے گھر جمگھٹا رہتا ہے اور اگر کسی دن وہاں نہ جائیں تو جرمانہ ہوتا ہے۔“

چچی نے کہا مگر مولانا۔ او زان کے گھر جاتے ہو کبھی ان کو بھی تو اپنے گھر بلاؤ۔“

جج صاحب نے تائید کی۔ ”میرے منہ کی بات چھین لی بیگم نے۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا تو گویا یہ طے رہا کہ صبح آپ ان کو ٹیلیفون کریں گے کہ وہ دونوں سہ پہر کی چائے ہمارے ساتھ پئیں گے۔“

نزہت نے کہا۔ ”ڈیڈی چائے پر نہیں کھانے پر بلائیے۔ کل ان کے یہاں چائے پر کچھ اور دوست آ رہے ہیں اور ہم دونوں کو بھی جانا ہے۔ بس چائے کے بعد کھانے پر ہمارے ساتھ ہی آ جائیں گے۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”یہ اور بھی اچھا ہے۔ مگر بھائی صاحب کو راضی کر لو کہ کم سے کم کل کے لئے اجازت دے دیں کہ ہم کھانے کی میز استعمال کر لیں۔

منشی جی نے کہا۔ ”ضرور ضرور بھئی یہ کبھی کبھار کی بات دوسری ہے۔ مگر روز مرہ کرسی پر ٹنگ کر میز پر کھانا کھاتے ہو۔ وہ تو خدا نہ کھلوائے میں فاقہ کر لینا گوارا کر سکتا ہوں مگر یہ مجھ سے ناممکن ہے کہ ایک ہاتھ میں پلیٹ پکڑے کھڑے ہیں دوسرے میں روٹی اب بتائیے تیسرا ہاتھ کس سے مانگیں؟ روٹی توڑنے اور نوالہ بنانے کے لئے۔“

نزہت نے ہنس کر کہا۔ ”خالو جان آخر ہم لوگ بھی تو نوالہ بنا ہی لیتے ہیں، اور روٹی توڑ ہی لیتے ہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”تم نے اپنی بھلی چلائی تم تو کانٹے سے چاول تک کھا لیتی ہو۔ مولانا آپ کی قسم میں نے جب کبھی اس نامراد کانٹے سے چاول کھانے کی کوشش کی۔ چاول پلیٹ میں گئے اور خالی کانٹا منہ میں۔ بخدا یہ تو بڑی کاریگری کا کام ہے اور مجھ سے یہ کرتب ناممکن ہیں۔ اپنا یہی طریقہ ٹھیک ہے کہ ہاتھ سے نوالہ بنایا اور منہ میں پہنچا دیا۔“

نزہت نے چھیڑنے کے لئے کہا۔ ”تو کیا خالو جان، کل بھی آپ ہاتھ ہی سے چاول کھائیں گے۔ مہمانوں کے سامنے۔“

منشی جی نے تیکھے تیوروں سے کہا۔ ''تو کیا صاحبزادی میں آپ کے مہمانوں کی وجہ سے چھری کانٹے منہ میں گھسیڑ کر بجائے کھانے کے زخم کھالوں گا؟ تم صاف صاف کہہ دینا اپنے مہمانوں سے کہ یہ ہمارے دیسی رشتہ دار ہیں۔''

جج صاحب ہنستے ہوئے کہا۔ گویا ہم لوگ ولایتی ہیں۔ بدیشی ہیں وہ تو یونہی شرارت کررہی ہے۔ آپ ہاتھ سے کھائیے گا تو گویا یہ طے رہا کہ کل وہ دونوں ڈنر پر آرہے ہیں اور بھی اگر کسی کو بلانا ہے تو بلالو۔ کیوں بھئی مولانا!''

میں نے کہا۔ ''جی نہیں اور کس کو بلانا ہوتا۔ ان دونوں سے تو گھر کے سے تعلقات ہیں۔ کھانے میں بھی کسی خاص تکلف کی ضرورت نہیں۔''

جج صاحب نے کہا۔ اچھا اب گویا تکلف آپ نے شروع کیا۔ عجیب چیز ہیں مولانا آپ بھی۔ حضرت دعوت صرف مہمان کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اسی بہانے خود بھی ذرا پر تکلف کھانا نصیب ہوجائے مینو میرے نزدیک یہ ہو کہ چکن روسٹ۔ فرائد فش'' ____

منشی جی نے بات کاٹ کر کہا۔ ''میاں لاحول ولا قوۃ کھانے بھی تم کو وہی سوجھ رہے ہیں میڈ ان انگلینڈ۔ دھوتی کھانے پر یہ اوٹ پٹانگ نہیں ہوتے کہ آدمی پہلے ان کا ترجمہ کرے پھر کھائے۔ دعوت کرنا ہے تو بھلے مانسوں کی طرح دعوت ڈھنگ کی کرو۔''

چچی نے کہا۔ ''اچھا تو آپ ہی بتائیے کیا ہو؟''

منشی جی نے کہا۔ ''ایک تو مرغ مسلم''

جج صاحب بولے۔ ''وہی تو میں نے کہا تھا چکن روسٹ''۔

منشی جی نے کہا۔ ''انگریزی میں کہو گے تو وہ تم سے زیادہ انگریز خانساماں اور بھی انگریزی طریقے پر پکا کر رکھ دے گا۔ میں اس کو ہدایات دوں گا۔''

چچی نے کہا۔ ''چلئے یہ طے رہا کہ کل کھانے کے منتظم آپ ہی ہوں گے''۔

جج صاحب نے کہا۔ ''ٹھیک ہے مگر ایک آدھ چیز خانساماں انگریزی بھی بہت اچھی تیار کرتا ہے۔ مثلاً کولڈ فش اور وہ نارنگی کی پوڈنگ وہ ضرور اس سے تیار کرالی جائے۔''

منشی جی نے کہا۔ ''بابا سب کچھ منظور مگر خدا کے لئے وہ شوربا نہ منگوانا میز پر جو تم لوگ کھانے سے پہلے چمچوں سے پیتے ہو صاحب عجیب نامعقول چیز ہوتی ہے۔ وہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ پتیلی دھو کر پی لی۔''

نزہت نے کہا۔ ''کمال کرتے ہیں آپ بھی، خالو جان سوپ تو اتنی مزے دار چیز ہے کہ جواب نہیں اس کا۔ ذرا ان سے پوچھئے اعجاز بھائی سے کیوں اعجاز بھائی۔؟

اعجاز بے چارے کے لئے عجیب امتحانی وقت تھا یہ بھی ایک طرف خوفناک باپ دوسری طرف وہ جن کی تائید بھی باپ سے زیادہ ضروری تھی

مجبوراً جان پر کھیل کر بولے۔ ”مجھے سوپ بہت اچھا لگتا ہے۔“

منشی جی برس پڑے۔ ”صاحبزادے تمہارا دماغ تو سب سے زیادہ خراب ہوا ہے۔ وہ چوپٹ ہوئے ہو یہاں آ کر تم کہ تم کو تمہاری اوقات پر واپس لانے میں لاتیں درکار ہوں گی۔ بھول گئے وہ دن جب چولھے کے پاس بیٹھ کر ڈلیا میں روٹی اور کٹورے میں سالن لے کر کھایا کرتے تھے۔ سنا آپ نے؟ آج دیکھتا کیا ہوں کہ صبح کے ناشتے میں صاحبزادے بلند اقبال بھی بیٹھے دودھ میں دلیا ملا کر کھا رہے تھے۔ میں سمجھا کہ طبیعت کچھ خراب ہے مگر معلوم ہوا کہ جناب بھی صاحب لوگ والا ناشتہ کرتے ہیں۔ میاں انتہا یہ ہے کہ ان حضرت کو بھی اس حقے کے پانی کا شوق ہو گیا ہے۔“

جج صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ ”حقّے کا پانی کیسا؟“

نزہت نے ہنس کر کہا۔ ”آپ کو نہیں معلوم۔ خالو جان کافی کو حقّے کا پانی کہتے ہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”تو کیا غلط کہتا ہوں۔ میرے حقّے کے پانی میں چینی ڈال کر دودھ ملا دو۔ اگر مزے میں ذرا بھی فرق ہو تو جو چور کی سزا وہ میری وہی رنگ ہوگا۔ وہی بو ہوگی، وہی مزہ ہوگا۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”کافی کا مزہ تو ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر بھائی صاحب حقّے کے پانے کے مزے کا آپ نے کوئی تجربہ کیا؟“

منشی جی نے کہا۔ ”صاحب میں حقہ تو پیتا ہوں اور اتنا اندازہ ہر حقّے پینے والے کو ہو سکتا ہے کہ حقّے کے پانی کا کیا مزہ ہو سکتا ہے۔ بھئی میں تو کہتا ہوں کہ وہ پھر بھی مزیدار ہوگا۔ اس نامعقول کافی سے جس کا ہمارے ولی عہد بہادر کو شوق ہے۔“

نزہت کو لطف آ رہا تھا چنانچہ اس نے بھی نمک چھڑکا۔ ”خالو جان۔ اعجاز بھائی تو ٹماٹو جوس بھی پیتے ہیں۔“

منشی جی نے اعجاز کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”کیوں؟ میں کہتا ہوں برخوردار کیوں۔ شامتوں نے گھیرا ہے تمہیں حواس ہی کھو بیٹھے تم تو۔“

جج صاحب نے ہنس کر کہا۔ ”بھائی صاحب‘ ٹماٹو جوس میں کیا ہرج ہے؟ ٹماٹر کا رس تو کوئی بری چیز نہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ٹماٹر کے کیا کہنے اور اس کا رس تو سبحان اللہ! ان کی والدہ کو میں کچی کنجی کے عرق میں ٹماٹر کا رس ملا کر پلایا کرتا تھا۔ جب ان پر تپ دق کا شبہ ہوا ہے اسی سے انہوں نے وہ رنگ بدلا اور وہ ہاتھ پیر نکالے کہ میں آپ سے کیا کہوں۔ ٹماٹر تو صاحب لاجواب چیز ہے۔“

اور منشی جی کو ٹماٹر کے فوائد گنواتا ہوا چھوڑ کر میں تو کھانے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔“

(۲۲)

جہاں آرا اور ہاشم کو صبح ہی نزہت نے رات کے کھانے پر مدعو کرلیا تھا بلکہ ہاشم سے سخت لڑائی بھی ہوئی تھی کہ وہ حضرت پولیس لائن کے کسی کھانے کو منظور کر چکے تھے۔ بہرحال یہ معرکہ نزہت نے سر کرلیا اور ہاشم سے وعدہ لے لیا کہ وہ اپنے محکمہ جاتی کھانے پر نہ جائیں گے اور یہاں آئیں گے۔ چنانچہ اس وعدہ کے بعد منشی جی کو تو کھانے کے اہتمام پر لگادیا گیا اور ہم دونوں حسب معمول کالج بھی گئے اور کالج سے واپسی پر شفقت کو مکتب غم دل کی حاضری بھی دلوائی جہاں وہ اب تک بقول غالب یہی سبق پڑھ رہے تھے کہ ''رفت گیا اور بود تھا'' مگر آج ہاشم نے اور میں نے ان حضرت کو تنہائی کا زیادہ

موقع نہ دیا۔ ان حضرت نے لاکھ پہلو بدلے۔ لاکھ چاہا کہ ہم یہاں سے ٹل جائیں مگر ہم نہ کھسکے۔ آخر ہاشم سے ان کی بیکلی نہ دیکھی گئی اور اس نے جہاں آرا سے کہا۔ ''میرے پائپ کا تمباکو ختم ہوگیا ہے۔ مال تک جانے کے لئے دس منٹ کی اجازت چاہتا ہوں۔''

جہاں آرا سے پہلے شفقت بول اٹھے۔ ''مولانا اگر آپ بھی جارہے ہوں تو میرے لئے دوکان سے سگار کا ایک بکس لیتے آئیں۔''

ہاشم نے کہا۔ ''حضرت جب دوکان ایک ہی ہے تو دوسرے آدمی کو جانے کیا ضرورت ہے؟ یہ خدمت تو میں بھی انجام دے سکتا ہوں۔''

جہاں آرا نے ہاشم کو گھورا مگر میں نے فوراً ہاشم کی حماقت کی تلافی کردی۔ ''ہاں بھئی تم ہی لیتے آنا۔ مجھے ابھی نماز بھی پڑھنا ہے۔''

یہ کہہ کر ہم دونوں حسب معمول کھانے کے کمرے میں آگئے جہاں نزہت نے ٹی کوزی اٹھا کر چائے بنادی۔ ادھر شفقت نے جہاں آرا سے پوچھا۔

''یہ آخر آج کہاں جارہی ہیں آپ؟''

جہاں آرا نے بیزاری سے کہا۔ ''کیا بتاؤں مصیبت میں جان ہے۔ جی چاہے یا نہ چاہے مگر جاؤں ضرور ان کے ساتھ کھانے پر۔'' ان کی بیہودہ خشک باتیں سننے اور سوکھے ٹھٹھوں سے کان کے پردے اڑ دانے پولیس لائن میں ڈنر ہے۔''

شفقت نے کہا۔ ''مصیبت یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ ٹلنے کا نام ہی

نہیں لیتے۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”آپ بھی تو بغیر مولانا کے جیسے ڈرتے ہوں۔ یہاں آتے ہوئے۔“

شفقت نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ بات نہیں ہے مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ ہماری یہ ملاقاتیں فی الحال بے لوث سمجھی جائیں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”فی الحال سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ خدا کے لئے بتایئے تو سہی کیا آپ کے ذہن میں مستقبل کے لئے امید کی کوئی کرن ہے؟“

شفقت نے کہا۔ ”ناممکن تو دنیا میں کوئی بات نہیں مگر پولیس کا معاملہ ہے۔“

باوجود نہایت مشاق اداکارہ ہونے کے ہم نے محسوس کیا کہ جہاں آرا نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کر کے آنچل سے اپنا منہ چھپا لیا تو شفقت نے کہا۔ ”تم اس قدر مایوس ہو کر بات بات پر رونا کیوں شروع کر دیتی ہو؟“

اور اب جو جہاں آرا کو ہنسی آئی ہے تو شفقت واقعی یہ سمجھا کہ بے چاری ہچکیاں لے لے کر رو رہی ہے۔ چنانچہ اس نے گھبرا گھبرا کہنا شروع کیا حوصلے سے کام لو جہاں آرا۔ اس طرح تمام راز کھل جائے گا۔ مولانا نماز پڑھ کر آتے ہی ہوں گے اپنے کو سنبھالو اور خدا سے ہر امید رکھو۔ وہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔“

جہاں آرا نے اسی طرح آنچل سے منہ چھپائے چھپائے کہا۔ ”نہ

جانے کیا بات ہے کہ میں جب تمہیں خواب میں دیکھتی ہوں ہتھکڑی پہنے دیکھتی ہوں۔“

شفقت نے کہا۔ ”بس اتنی سی بات سے پریشان ہو۔ حالانکہ ان خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم مجھ کو گرفتار کر چکی ہو۔“

جہاں آرا نے ہنسی سے بے قابو ہو کر بالکل رونے کی آواز میں کہا۔ ”چکی پیستا ہوا بھی دیکھا ہے۔“

شفقت نے کہا۔ ”ٹھیک ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں جدوجہد سے غافل نہیں ہوں۔“

جہاں آرا نے بمشکل اپنے کو قابو میں لا کر کہا۔ ”میری جان تو ہر وقت سولی پر ہے مگر تمہارا کیا حشر ہوگا؟ وہ ٹھہرے پولیس آفیسر نہ جانے کیا کر گزریں تمہارا قصور لے کر جب ان کی وردی پہنے ہوئے تصویر کے سامنے جاتی ہوں تو یہ حال ہوتا ہے کہ۔

ان کی تصویر سامنے رکھ کر
تیرا انجام سوچتی ہوں میں

شفقت نے کہا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ مالک ہے۔ ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”اور اب کیا وقت ہے۔ ساڑھے چھ بجی وہ آ کر آفت مچائیں گے میں ذرا منہ دھو ڈالوں۔“

جہاں آرا کے اٹھتے ہی ہم وہاں پہنچ گئے اور شفقت سے چلنے کی

صلاح لی۔ چنانچہ شفقت نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا میں تو تیار ہوں۔ مگر ہاشم صاحب سگار تو لے آئیں۔"

چنانچہ ہاشم نے آتے ہی ٹکا سا جواب دے دیا کہ "صاحب آپ کو سگار تو اب کراچی سے غالباً منگانا پڑیں۔ یہاں تو ہیں نہیں کسی کے پاس۔"

شفقت نے کہا۔ "یہ برا ہوا۔ بہرحال مجبوری کا نام شکر ہے۔ پائپ نکال لوں گا میں بھی۔ بہرحال اب اجازت دیجئے۔ آپ کو بھی کھانے پر جانا ہے اور مجھے بھی کام ہے۔"

ہاشم نے کہا۔ "کیا شعر یاد دلایا ہے آپ نے ۔

موت نے جھگڑا چکایا نزع کا ہنگام تھا
مجھ کو بھی جانے کی جلدی تھی انہیں بھی کام تھا

لہذا خدا حافظ۔"

ان حضرات کو پہونچا کر میں نے واپس آ کر ہاشم۔ جہاں آرا اور نزہت کو ہنسی سے بے قابو پایا۔ یہ تینوں تو خیر آپس میں باتیں کر کے ہنسے ہوں گے میں تو تنہا ہی ہنستا ہوا آ رہا تھا کہ کہتی ہے کہ جب خواب میں دیکھتی ہوں ہتھکڑی پہنے دیکھتی ہوں اور کس بے بسی سے کہا ہے کہ چکی پیستا بھی دیکھا ہے۔ یہاں بھی ذکر تھا اور نزہت ہنسی سے بے قابو ہو ہو کر کہہ رہی تھی۔

"سچ مچ یہ کمال ہے جہاں آرا آپا کہ آپ کو ہنسی نہیں آتی"

ہاشم نے کہا۔ "اور آتی ہے ہنسی تو رونا معلوم ہوتی ہے۔"

جہاں آرا نے مجھ سے کہا۔ "آپ کہئے آپ سے کیا کہہ رہا تھا میرا مریض غم"

میں نے کہا۔ "مجھ سے صرف یہی کہا ہے کہ شاید کل میں یہاں نہ آسکوں اس لئے کہ مجھے ایک صاحب نے وقت دے رکھا ہے۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "اچھا اچھا سمجھی میں۔ میں نے جو اس سے کہا ہے کہ آپ کو تنہا آتے ڈر لگتا ہے تو اب وہ کل غالباً اکیلا ہی آئے گا۔"

میں نے کہا۔ آپ ہی نہیں سمجھی ہیں میں بھی سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی اس سے کہہ دیا ہے کہ کل تو شاید میں بھی نہ آسکوں۔ اس لئے کہ مجھے کالج کی ایک تقریب میں شرکت کرنا ہے۔"

نزہت نے کہا۔ "یہ تو برا ہوا۔ اب گویا کل ہمارے لئے اس ڈرامے کا انٹرول رہے گا۔"

جہاں آرا نے کہا۔ نہیں، میں اس کے آتے ہی فون جو کروں گی تم کو بغیر تم لوگوں کے لطف ہی کیا ہے اس ڈرامے کا۔"

ہاشم نے کہا۔ "اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم کو اس بیچارے کے حال زار پر رحم بھی آتا ہے یا نہیں؟"

جہاں آرا نے کہا۔ "لیجئے گھوڑا دانہ گھاس سے دوستی کرے تو کھائے کیا۔ مجھ کو ان لوگوں پر رحم آنے لگے تو لطف ہی کیا۔"

ہاشم نے کہا۔ "مجھ کو تو محبت کی یہ اداکاری کرتے کرتے واقعی پیار آنے لگتا۔ اگر میں ہوتا تمہاری جگہ۔"

جہاں آرا نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "لو اور سنو میں جو تم کو ہاشم کے

بجائے ہشو کہتی ہوں تو کچھ سمجھ بوجھ ہی کر کہتی ہوں۔‘‘

میں نے نزہت سے کہا۔ ’’نزہت یہ مذاق نہیں ہے۔ یہ حضرت کالج میں واقعی ہشو کہلاتے تھے اور یہ نام ان ہی کا رکھا ہوا تھا جہاں آرا کا۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’اور آپ کیا کہلاتے تھے کالج میں؟‘‘

ہاشم نے کہا۔ ’’کون؟ یہ مولانا آپ نے ان کا نام مولانا رکھ دیا ہے مگر کالج میں یہ مرشدی کہلاتے تھے ان کا ماہانہ عرس ہوا کرتا تھا جس میں تمام حلقہ بگوش شرکت کرتے تھے قوالیاں ہوتی تھیں۔ لنگر جاری کیا جاتا تھا یہ تو کالج کے زمانے سے نمازی پرہیزگار ہیں۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’یعنی اپنے عرس میں یہ خود بھی شرکت کرتے تھے۔‘‘

ہاشم نے کہا۔ ’’جی ہاں! عقیدہ یہ تھا کہ حضرت کا وصال تو ہو چکا ہے مگر چونکہ ایسے برگزیدہ لوگ زندہ جاوید ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہم کو زندہ نظر آ رہے ہیں۔ حضرت کے دستِ حق پرست پر پہلی بیعت تو میں نے ہی کی تھی۔‘‘

جہاں آرا نے کہا۔ ’’کچھ خبر بھی ہے کیا بجا ہے۔‘‘

سب تیار تو تھے ہی ایک ہی گاڑی پر چاروں روانہ ہو گئے اور ہاشم نے اپنے ڈرائیور سے کہہ دیا کہ پیچھے پیچھے وہ بھی گاڑی لے آئے۔‘‘

(۲۳)

جج صاحب نے تو واقعی اچھی خاصی دعوت کا انتظام کر چھوڑا تھا۔ حد یہ ہے کہ خود بھی باقاعدہ ہی طور پر ڈنر جیکٹ میں تھے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ منشی امتیاز علی صاحب کو بھی سیاہ شیروانی پہنا رکھی تھی۔ چچی جان بھی نہایت پرتکلف لباس میں تھیں اور ایک صوفے پر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ہاشم اور جہاں آرا کو سب سے ملایا۔ اور خود چند منٹ کی اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گیا کہ کہیں ان دلچسپیوں میں عشا کی نماز ہی گول نہ ہو جائے۔ مگر اب جو نماز پڑھ کر آئے ہیں تو یہاں رنگ ہی کچھ اور تھا۔ نزہت غالباً کھانے کی میز ٹھیک کرانے گئی ہوئی تھیں اور باقی سب کچھ ایسی گفتگو کر رہے تھے کہ جج صاحب حیرت سے منہ کھولے بیٹھے تھے۔ چچی جان بجائے صوفے میں دھنسے کے ابھری ہوئی بیٹھی تھیں۔ منشی جی سوالیہ نشان بنے تشریف فرما تھے۔ البتہ

اعجاز میاں پر چونکہ کبھی کسی تاثر کا کوئی رنگ نہیں آتا۔ لہٰذا وہ صرف برخوردار بنے بیٹھے تھے۔ مجھ کو دیکھتے ہی جج صاحب نے کہا۔

''کیوں بھئی مولانا۔ یہ حرکت کی تم نے۔ یعنی تم تو چھپے رستم نکلے۔''

منشی جی نے کہا۔ ''العجب ثم العجب''

چچی بولیں۔ ''واقعی مولانا بیٹے کمال کر دیا تم نے اور تم سے زیادہ بے بی نے۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''مگر ہاشم میاں، وہ لونڈا سخت لوفر ہے۔ چھٹا ہوا ایڈیٹ اس کو آپ ہرگز منہ نہ لگائیں۔''

اور میں اب سمجھا کہ ان دونوں نے شفقت کا بھانڈا یہاں آ کر پھوڑ دیا ہے۔ یہ دراصل اپنی ہی غلطی تھی کہ ہاشم اور جہاں آرا کو منع نہ کیا کہ شفقت کا کوئی ذکر وہاں نہ کریں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجبوراً بے حیائی کی ہنسی ہنس کر کہا۔''

''آپ لوگوں کو اس بھیجے ہی اطلاع اس لئے نہیں دی کہ آپ اس کی اجازت نہ دیتے۔ حالانکہ وہ حضرت اس قابل ہرگز نہیں ہیں کہ ان کی کسی بات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ ان دونوں سے پوچھ لیجئے کہ وہ تو قابل رحم حد تک بیوقوف واقع ہوئے ہیں۔''

ہاشم نے کہا۔ ''نہایت اعلیٰ درجے کے بیوقوف۔ اس صنعت کے آخری شاہکار۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''تو کیا بے بی بھی اس تماشے میں حصے لے رہی ہے کچھ۔''

جہاں آرا نے کہا۔ ''جی نہیں۔ نزہت بہن کی تو اس کو خبر بھی نہیں کہ وہ ہمارے گھر موجود ہوتی ہیں۔ البتہ نزہت بہن ایک دوسرے کمرے میں بیٹھ کر اس کا تماشہ ضرور دیکھتی ہیں۔''

چچی نے کہا۔ ''مگر بیٹی تم اس کو صرف بیوقوف ہی نہ سمجھو۔ وہ بڑا خطرناک بھی ہے۔''

ہاشم نے کہا۔ ''جی پولیس سے زیادہ خطرناک نہیں ہو سکتا۔ اس طرف سے اطمینان رکھئے۔''

عین اسی وقت نزہت نے آ کر سب کو کھانے کے کمرے میں چلنے کو کہا۔ جج صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ڈارلنگ آج تمہاری چوری پکڑی گئی اور اس لفنگے کے ساتھ جو کھیل ہو رہا ہے اس کا پتہ چل گیا ہم کو۔''

نزہت نے ایک دم چونک کر کہا۔ ''مولانا کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ مجھ سے تو کہا ابھی نہ کہنا کسی سے اور خود بتا دی یہ بات سب کو۔''

جہاں آرا نے کہا۔ ''بھئی انہوں نے نہیں بتائی بلکہ چونکہ تم دونوں نے ہم کو جمع کیا تھا۔ لہٰذا یہ بات ہم چھیڑ بیٹھے۔''

جج صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''چوریاں بہرحال کھل ہی جاتی ہیں

اور عموماً پولیس کے ذریعے کھلتی ہیں۔"

اسی قسم کی باتیں کرتے ہم سب کھانے کی میز پر آ گئے جو دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ منشی جی نے دیسی کھانے تیار کرانے میں واقعی بڑے سلیقے کا ثبوت دیا تھا۔ بریانی کی اشتہا اور خوشبو سے کمرہ مہکا ہوا تھا۔ سرخ چتیوں والے مرغن پراٹھے اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ بھاپ نکالتے ہوئے سیخ کے کباب پیاز کے لچھوں میں سجے ہوئے اپنی خاص کشش رکھتے تھے۔ میں نے اور جہاں آرا نے ایک ساتھ مچھلی کو دیکھا ہی تھا کہ جہاں آرا کہہ اٹھی۔

"ہاشم ذرا یہ مچھلی دیکھو۔ سچ مچ معلوم ہوتا ہے زندہ مچھلی رکھی ہو۔"

جج صاحب نے کہا۔ "بھئی یہ ہمارے بھائی صاحب کی رکاب دارانہ کرامت ہے۔"

ہاشم نے غور سے مچھلی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اچھا۔ پستے اور بادام سے اس کی کھال بنائی گئی ہے۔"

اور یہ سننا تھا کہ منشی جی شروع ہو گئے۔ صاحب! یہ فن تو دراصل اب ختم ہی ہو چکا ہے۔ ورنہ رکاب دار تو نہ جانے کیا کیا کمال دکھایا کرتے تھے کہ پہلے پلیٹ میں رکھی ہوئی چیز کھائیے۔ پھر پلیٹ بھی کھائیے اور آخر میں دسترخوان بھی نوش فرما جائیے۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "کیا مطلب؟ دسترخوان کون کھا سکتا ہے بھلا؟"

جج صاحب نے کہا۔ "بھئی دراصل شکر یعنی کھانڈ کا بنا ہوا ہوتا تھا۔

رکاب دار اسی قسم کے شعبدے دکھایا کرتے تھے مگر سوال یہ ہے کہ بھائی صاحب کو یہ مچھلی بنانا کہاں سے آ گیا۔"

منشی جی نے کہا۔ "نخو رکاب دار اپنے ہی محلے کا تو تھا عجیب چیزیں بنایا کرتا تھا۔ یہ مچھلی بنانا میں نے اسی سے سیکھا ہے۔"

ہاشم نے کہا۔ "تو اب اس کو تیرانا چاہیے معدے کی جانب۔"

جج صاحب نے چھری بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہاں شروع کر دو نا۔ بھئی یہ تو خانہ بے تکلف ہے اور تم لوگ تو اپنے ہی بچے ہو۔"

منشی جی نے خود پکایا ہو یا پکوایا ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ کھانا بے حد لذیذ تھا ہر چیز اپنا جواب آپ ہی تھی۔ خصوصاً روغنی پراٹھوں کے ساتھ سیخ کے کباب تو لطف ہی دے گئے۔ کئی مرتبہ ہاشم کو اس طرف متوجہ کیا مگر ان حضرت کو کریلوں نے ایسا اپنا گرویدہ کیا تھا کہ وہ چھوڑتے ہی نہ تھے۔ کریلے جہاں آرا بریانی میں مصروف تھیں۔ اور منشی جی کا یہ حال کہ وہ چاہتے تھے کہ سب لوگ تھوڑی تھوڑی ہر چیز چکھ کر ان کو داد دے دیں۔ چنانچہ کبھی وہ ایک ڈونگا بڑھاتے کہ: یہ کھیری گردے تو نوش فرمائیے۔ کبھی دوسرا ڈونگا بڑھاتے کہ: "بھئی یہ لیجیے نامرنجان مرنج"۔

ہاشم نے کہا۔ "یہ کیا چیز ہے مرنجان مرنج۔"

منشی جی نے کہا۔ "یہ نواب نصیرالدین حیدر کے دسترخوان کا خاص قورمہ ہے جس کا شاہی نام مرنجان تھا۔"

جہاں آرا نے ایک طرف سے نعرہ بلند کیا۔ ’’ہائے یہ قیمہ بھری پہاڑی مرچیں۔‘‘

ہاشم نے کہا۔ ’’بس صاحب ان کو تو مل گیا ان کا من بھاتا کھاجا اب یہ کچھ اور نہیں کھا سکتیں۔‘‘

سب اسی طرح اپنی اپنی پسند کی چیزیں لیتے اور کھاتے رہے۔ سوائے اعجاز میاں کے جو چوتھی کی دلہنوں کی طرح پلیٹ میں ایک بٹیر رکھے غالباً اس سے شرف تلمذ حاصل کر رہے تھے۔ کھانا ختم ہونے کے بعد بیرے نے سویٹ ڈش پاس کرنا شروع کی۔ یہ پیلی پیلی خوش رنگ نارنگیاں تھیں۔ در اصل یہ پوڈنگ تھی جو نارنگیوں کی شکل بنادی گئی تھی اور صرف خوبصورت ہی نہیں بلکہ نہایت خوش ذائقہ بھی تھی۔ اس کے بعد جب واقعی فرونس میں سروا سامنے آیا تو جہاں آرا نے کہا۔

’’بھئی اللہ میں نہیں کاٹتی اسے بیوقوف بننے کے لئے نہ جانے یہ بھی سروا ہے۔ یا کسی اور قسم کی پوڈنگ۔‘‘

ہاشم نے جج صاحب سے کہا۔ ’’صاحب! آپ میری دلی مبارک باد قبول کیجئے کہ آپ کو بہت اچھے خانساماں مل گئے ہیں۔ صرف صنعت ہی نہیں دکھاتے بلکہ مزہ بھی چکھاتے ہیں اور اپنے ملکی کھانوں کا تو کہنا ہی کیا مگر وہ تو منشی صاحب قبلہ کے نتیجہ ہائے افکار تھے۔‘‘

منشی جی ابھی کچھ فخر اور کچھ انکسار ہی فرما رہے تھے کہ بیرا کافی کی ٹرالی لے کر گول کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ منشی جی نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

’’استغفر اللہ سارا مزہ کرکرا کرنے کا سامان کیا جا رہا ہے۔ وہی نا معقول کافی۔‘‘

نزہت نے کہا۔ ’’خالو جان کافی کو حقے کا پانی کہتے ہیں مگر خالو جان اعجاز بھائی کے چہرے پر رونق آجاتی ہے کافی کو دیکھ کر۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ کیوں اس بے چارے کی شامت لا رہی ہو تم۔ ارے بھئی اعجاز میاں تم نے تو آج واقعی حد کر دی۔ ذرا مولانا کی پلیٹ دیکھو۔ مال گودام معلوم ہو رہی ہے۔ اب تک اور آپ نے یہ کیا کیا ہے۔ صرف ایک جان ناتوان بٹیر کی چند ہڈیاں نظر آ رہی ہیں مجھے۔‘‘

منشی جی نے جل کر کہا۔ ’’وہ کافی سے پیٹ بھریں گے نا۔ احمق جو ٹھہرے۔‘‘

اور ہم لوگ گول کمرے میں آ گئے۔ جہاں کافی کا دور شروع ہوا۔ اور اس کے ساتھ وہی شفقت کا قصہ۔ آخر یہ طے پایا کہ اوّل تو ہم کو یہ ڈرامہ شروع ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔ مگر اب شروع کر دیا ہے تو باقی سب کو بھی دکھایا جائے۔ جہاں آرا اور ہاشم نے اس ڈرامے کے لئے باقاعدہ سب کو مدعو کر لیا۔‘‘

(۲۴)

آج ہاشم کے یہاں جج صاحب کے گھر بھر کی دعوت تھی اور دعوت بھی دوہری۔ یعنی چائے بھی اور پھر کھانا بھی۔ اس لئے کہ ان سب کو دراصل شفقت کا تماشا دیکھنا تھا اور وہ وقت ہوتا ہے چائے کا۔ مگر چونکہ اس وقت جہاں آرا خود ایک کردار ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے مہمانوں سے بالکل ہی محروم رہ جاتیں اگر رات کا کھانا نہ ہوتا۔ دوسرے مناسب یہی سمجھا گیا کہ چائے کے وقت تو دیکھا جائے یہ تماشا اور کھانے کے وقت ہو اس پر تبصرہ۔ اس تماشا کے لئے سب سے زیادہ سمجھنا پڑا منشی جی کو کہ حضور والا اس تماشے میں بہت سے سخت مقام آتے ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وجد میں آجائیں۔ ذرا اپنے کو قابو ہی میں رکھئے گا۔ اور کسی قسم کی آہٹ پیدا نہ ہونے دیجئے گا ورنہ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ سمجھا بجھا کر میں نے جج صاحب اینڈ کمپنی کو تین

ہی بجے ہاشم کے گھر پہنچا دیا۔ پھر کالج سے نزہت کو لاکر چھوڑ گیا اور آخر میں شفقت کو اپنے ساتھ لایا وہ حسب معمول اپنے نزدیک کیوپڈ کے تمام تیروں سے مسلح ایک خوش وضع ایوننگ سوٹ میں تھے اور یہ بھی عجیب اتفاق کہ جہاں آرا بھی آج ان ہی کے سوٹ کے رنگ میں نیوی بلیو شلوار سوٹ میں تھی۔ شفقت نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔

دیکھئے صاحب! اس کو کہتے ہیں ہمرنگی حالانکہ نہ آپ کو معلوم تھا کہ میں نیلے سوٹ میں آؤں گا نہ مجھے خبر تھی کہ آج آپ نے یہ رنگ اختیار کیا ہے۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”بات یہ ہے کہ ذوق جو یکساں ہے ہم دونوں کا۔“

ہاشم نے کہا۔ ”مولانا یہاں تو ذوق کا ذکر چھڑ گیا ہم دونوں شیخ ابراہیم چل ہی دیں تو اچھا ہے۔“

شفقت نے رسماً پوچھا۔ ”کیا کہیں ضروری کام سے جانا ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ میری وجہ سے آپ بالکل تکلف نہ کریں۔ شوق سے تشریف لے جائیں۔“

میں نے کہا۔ ”ذوق کے ذکر کے بعد تکلف بھی خوب کہا۔

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر

میں ذرا اپنے ایک خاص کام سے ان کو لے جا رہا ہوں۔ آدھ گھنٹے کی اجازت دے دیجئے۔ جب تک آپ چائے پئیں ہم بس ابھی آئے۔“

شفقت نے کہا۔ ”ضرور ضرور۔ کام بہر حال کام ہے اور میری وجہ سے آپ خواہ مخواہ جلدی بھی نہ کیجئے گا۔ میں بالکل فارغ ہوں۔“

ہاشم نے مجھ کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔ بلکہ فارغ التحصیل اور فارغ البال تک۔”

ہم دونوں حسب معمول ایک دروازے سے نکل کر دوسرے دروازے سے کھانے کے اس کمرے میں آ گئے جو اس وقت واقعی سینما ہال بنا ہوا تھا اور سب اس تماشے کو دیکھنے میں کھوئے ہوئے تھے اور ساتھ ہی ساتھ چائے نوشی بھی جاری تھی۔

جہاں آرا شفقت سے کہہ رہی تھی۔ “آج نہ جانے کس کا منہ دیکھ کر اٹھی تھی کہ ان کراماً کاتبین نے ازخود دو گھڑی تنہا تو چھوڑ دیا۔”

شفقت نے کہا۔ “بخدا مجھے خود سخت کوفت ہوتی ہے کہ کباب میں ہڈی کی طرح یہ دونوں ہر وقت موجود ہوتے ہیں۔”

جہاں آرا نے کہا۔ “آج جب میں بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی اور کئی مرتبہ کہہ چکی تھی کہ نہ جانے اب تک یہ دونوں کیوں نہیں آئے تو میری ساس کے لختِ جگر نے کہا کہ اس شدت سے تو انتظار تم کبھی میرا بھی نہیں کرتیں۔”

اس چغد نے کہا۔ “آپ کی ساس کے لختِ جگر کون؟”

جہاں آرا کو ہنسی آ گئی۔ “میری ساس کا لخت جگر کون ہو سکتا ہے؟ کبھی کبھی غور بھی کر لیا کیجئے۔”

اور یہ سن کو چچی جان کو جو ہنسی آئی ہے تو چائے کا چمچہ طشتری سے گرا زمین پر اور منشی جی نے غیر ارادی طور پر کرسی بھی کھسکا دی جس کی آواز پر شفقت چونک پڑا مگر جہاں آرا نے نہایت بے پروائی سے بات بنا دی۔ “کوئی نہیں میری آنٹی آئی ہوئی ہیں بہاولپور سے وہ ہوں گی یا ان کا کوئی بچہ ہوگا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ آج ان حضرت کو بھی یہ خیال آیا کہ دن بھر تو میں خاموش پڑی رہتی ہوں اور تین بجے کے بعد سے نہ جانے میرے مردہ جسم میں کہاں سے جان آ جاتی ہے کہ آپ لوگوں کے انتظار کی گھڑیاں گنتی جاتی ہوں۔ کپڑے بدلتی جاتی ہوں اور چائے کے لئے ہدایت دیتی جاتی ہوں۔”

شفقت نے کہا۔ “یہ تو گویا کچھ خطرناک سی بات ہے اگر ان کو واقعی شبہ ہو گیا تو؟”

جہاں آرا نے کہا۔ “آج نہ سہی کل سہی۔ وہ تو آخر ایک دن ہونا ہی ہے۔ دل کے معاملات میں تو سر سے کفن باندھنا پڑتا ہے وہ آپ نے سنا ہوگا کسی کا شعر۔

پہلی منزل ہے فنا اے رہروِ راہِ بقا
آگے قسمت ہے تری اور ہمت مردانہ ہے

شفقت نے ذرا گھبراتے ہوئے کہا۔ “یہ تو ٹھیک ہے مگر ہم دونوں کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے فی الحال قدم پھونک پھونک کر رکھیں۔”

جہاں آرا نے کہا۔ “پھر وہی فی الحال۔ میں تو بعض وقت اس قدر مضطرب ہو جاتی ہوں کہ جی چاہتا ہے کہ جو گزرنے والی ہے وہ آج ہی گذر جائے اور واقعی جب اس امتحان سے ہم دونوں کو گذرنا ہی ہے تو آج کا یہ قصہ کل پر کیوں ٹالا جائے۔”

شفقت نے کہا۔ “نہیں نہیں یہ ہرگز نہ کیجئے گا۔ اس طرح حالات

بیحد خطرناک ہو جائیں گے۔"

جہاں آرا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو نا شفقت' اس آزمائش سے ایک نہ ایک دن ہم کو گذرنا ہی پڑے گا آخر۔"

شفقت نے بات کاٹ کر کہا۔ "میں چاہتا یہ تھا کہ کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ کسی امتحان اور آزمائش میں نہ پڑتے ہم اور کام نکل جاتا یعنی سانپ بھی مر جاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "کیا مطلب یعنی اب تم آزمائش سے کترا رہے ہو۔"

شفقت نے کہا۔ "بخدا یہ غلط ہے میں گھبرانے والا ہرگز نہیں ہوں۔ مگر ذرا عقل سے کام لے کر غور کرو کہ وہ اسی شہر میں پولیس کے ایک صاحب اقتدار افسر ہیں اور وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "یہ تو تم کو پہلے سے معلوم تھا اگر پولیس سے ایسا ہی ڈرتے تھے تو مجھ کو آس دلا کر اتنی دور کیوں لے گئے جہاں سے میں اب لوٹ بھی نہیں سکتی۔"

شفقت نے کہا۔ "تو میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ تم لوٹو۔ البتہ اب ہم دونوں کو ذرا عقل مندی سے کام لینا چاہئے۔"

جہاں آرا نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "فرض کر لو کہ میں نے عقل مندی سے کام لے بھی لیا مگر تم؟"

شفقت نے بڑی مستعدی سے کہا۔ "میں بھی عقل مندی سے کام

ُوں گا۔"

جہاں آرا نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "نہیں لے سکتے عقل سے کام تم شفقت' محبت جنون کا نام ہے۔ عقل کا نہیں اور مجھ کو کم بخت نے چونکہ تم میں عقل سے زیادہ جنون کی صلاحیت دیکھی تھی۔ لہذا میں تم سے اس قدر قریب آ گئی۔"

شفقت نے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے مگر مصلحت یہی ہے کہ فی الحال یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ ذرا اپنے دلوں کو ہمیں قابو میں رکھنا چاہئے۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "آخر کیوں؟ جب میں ہر آنے والی مصیبت کے خیر مقدم کے لئے تیار ہوں تو تم کیوں پس و پیش کر رہے ہو؟"

شفقت نے عاجز آ کر پہلو بدلے۔ ٹائی درست کی اور بمشکل کہا۔ "اچھا کم سے کم اتنا انتظار تو کر ہی لو کہ ان کا یہاں سے کہیں اور تبادلہ ہو جائے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر عقل مندی کی بات نہیں ہے۔"

جہاں آرا نے منہ پر آنچل رکھ کر کہا۔ "ہائے اللہ پھر تم نے عقل کا نام لیا۔ تم عقل کے پیچھے کیوں لاٹھی لئے پھرتے ہو؟"

اور اب ہم تماشائیوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ ہنسی پر قابو رکھ سکتے۔ اپنے سے زیادہ ڈر منشی جی اور چچی جان سے تھا۔ بہرحال میں نے ہاشم کو باہر گھسیٹا اور ہم دونوں اس کمرے سے نکل کر برآمدے میں دانستہ ذرا اونچی آواز میں باتیں کرتے ہوئے گول کمرے کی طرف چلے تاکہ یہ ڈرامہ ختم کرنے کا

ان دونوں کو موقع مل سکے ہاشم نے گول کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''کہیے شفقت صاحب ہم لوگوں نے دیر تو نہیں کی۔''

شفقت نے کہا۔ ''جی بالکل نہیں بلکہ غالباً آپ لوگ جلد ہی واپس آگئے۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ جلدی کی چنداں ضرورت نہیں۔''

میں نے کہا۔ ''ان حضرت کو تو بیوی کا عارضی سا فراق بھی پریشان کر دیتا ہے کہنے لگے کہ وہ اداس ہو گئی ہوں گی؟''

جہاں آرا نے منہ بنا کر کہا۔ ''جی اور کیا۔ عجیب عجیب غلط فہمیاں گھیرے ہوئے ہیں ان حضرت کو۔ حالانکہ میں تو خدا سے چاہتی ہوں کہ یہ دور ہی دور رہیں۔''

ہاشم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر واقعی تم یہ چاہتی ہو تو تم کو صاف صاف کہہ دینا چاہیے میں خود کچھ دنوں سے تمہاری اس بیزاری کا اندازہ کر رہا ہوں۔''

شفقت نے جہاں آرا کی طرف سے صفائی پیش کرنا چاہی مگر میں نے اس کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ ''کہ حضرت میاں بیوی کے معاملے میں بولنا غلط ہے۔ صرف ان کو اس قسم کے موقعوں پر تنہا چھوڑ دینا چاہیے۔ لہٰذا ہم دونوں اب چلیں۔'' اور یہ کہہ کر میں ان کو پہنچانے چلا گیا۔

(۲۵)

شفقت کو پہنچا کر جب میں واپس آیا ہوں تو برآمدے ہی سے گول کمرے کے گونجتے ہوئے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ چنانچہ کمرے میں آ کر میں نے ہاشم اور نزہت کو ہنسی سے بے حال پایا۔ چچی جان بھی معلوم ہوتا تھا بہت ہنس چکی تھیں اور آنسو پونچھ کر کہہ رہی تھیں۔

''توبہ ہے جان نکال لی اس لڑکی نے۔ زندگی بھر نہ اتنی ہنسی کبھی آئی نہ ہنسی کو کبھی اتنا روکا۔''

جج صاحب نے مجھے دیکھ کر کہا۔ ''بھئی موڈ کا لطف آ گیا۔ ونڈرفل۔ یہ تو واقعی نہایت لاجواب تماشا دکھایا تم نے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ میں قائل ہو گیا جہاں آرا کا۔ بھئی یہ تو بہت اونچے درجے کی آرٹسٹ ہیں۔''

میں نے کہا۔ ''یہ تو آرٹسٹ ہیں مگر شفقت میاں کا بھی کوئی جواب

ہے۔"

جج صاحب نے کہا۔" وہ تو بنا بنایا گدھا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ کپڑے تو سب میرے یہاں چھوڑ کر بھاگا ہے۔ یہ اس کے پاس اتنے قیمتی سوٹ کہاں سے آگئے۔ سنا ہے کہ روز ایک جوڑا بدل کر آتا ہے۔

چچی نے کہا۔" کیا باتیں کر رہے ہیں آپ بھی اس کے نام سے بنک میں خود ہی تو اکاؤنٹ کھولا ہے اور خود ہی یہ سوال کر رہے ہیں۔"

جج صاحب نے یاد کرتے ہوئے کہا۔" آئی ہی۔ اچھا اچھا یہ اس روپے پر پانی پھیر رہا ہے۔ بھئی وہ اس کے باپ کا روپیہ تھا میں اسی کے نام جمع کر سکتا تھا اب وہ جو چاہے کرے مجھ سے کیا مطلب مگر سخت ایڈیٹ واقع ہوا ہے اور پالا پڑا ہے ایسی ماہر فن سے جوان کو چرا کر چھوڑ دے۔ بابا میرا تو ہنسی روکتے روکتے برا حال ہو گیا۔ ایک طرف میں یہ تماشا دیکھتا تھا اور دوسری طرف بھائی صاحب کے حیران چہرے پر نظر جاتی تھی۔ تو برا حال ہو جاتا تھا میرا۔"

منشی جی نے کہا۔" کیوں بھئی مولانا یہ حیرت کی بات تھی یا نہیں کہ یہ صاحبزادی کیسی مطابق اصل نقل اتار رہی تھیں۔ بھئی میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان کی پوچھو تو وہ تو خیر شفقت ہے۔ بخدا اگر کوئی عورت مجھ سے اس قسم کی باتیں کرے تو اپنے کو بے وقوفی سے بچانا سخت مشکل ہو جائے۔"

جج صاحب نے ہنس کر کہا۔" یعنی اب بھی میرا مطلب یہ ہے کہ بھائی

صاحب کہ اس عمر میں بھی۔"

منشی جی نے اپنی بساط سے اونچی بات کہہ دی۔" برادرم' محبت اور حماقت کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ عورت کا جھوٹا یا سچا ذرا سا التفات اچھے اچھوں کا بیڑا غرق کر سکتا ہے۔ غلط فہمی پیدا ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاں کوئی غلط فہمی پیدا کرنے والا ہو ان صاحبزادی کی قسم کا۔ میں تو بھئی سچی بات کہتا ہوں۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ میں شفقت کو اس معاملے میں زیادہ قصوروار نہیں ٹھہراتا۔ ان صاحبزادی نے کیا نام ہے ان کا جہاں آرا۔ حد ہی تو کر دی۔"

ہاشم نے کہا۔" مگر صاحب! مجھ کو بار بار وہ شعر یاد آ رہا تھا کہ

دھمکی سے مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلب گار مرد تھا

میں نے کہا۔" بلکہ غالب کی اسی غزل کا دوسرا شعر بھی اسی سلسلے میں پڑھو کہ

تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا

چچی نے کہا۔" ہاں ذرا صاحبزادے کی ہمت تو دیکھو کہ ارادے تو یہ ہیں اور پولیس سے دم بھی نکلا جاتا ہے۔"

ہاشم نے کہا۔" صاحب میرے لئے وہ موقع نہایت سخت تھا۔ جب انہوں نے سہمے ہوئے انداز سے کہا۔ کہ کم سے کم اتنا انتظار تو کر ہی لو

کہ ان کا یہاں سے کہیں اور تبادلہ ہو جائے۔ دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر عقلمندی نہیں ہے۔"

جج صاحب نے کہا: "مگر جہاں آرا کا پھر یہ کہنا اور کس انداز سے کہنا کہ ہائے تم نے پھر عقل کا نام لیا۔ بھئی میں داد نہیں دے سکتا۔ صاحب مجھ کو اقرار کرنا چاہیے کہ میں نے اتنا دلچسپ تماشا آج تک کبھی نہیں دیکھا۔"

منشی جی بولے۔ "مگر آپ لوگ اس تماشے کی صرف دلچسپیوں پر نہ جائیے۔ آپ نے اس مردود کا وہ فقرہ سنا تھا کہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ سانپ بھی مر جاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔

ہاشم نے ہنس کر کہا۔ "معاف کیجیے گا۔ سانپ اس قسم کے بنا سپتی سپیروں کے بس کا نہیں ہے کہ ان کے ہاتھ سے مرنا قبول کر لے۔ یہ سانپ تو لاٹھی ان پر توڑ سکتا ہے۔ قبلہ و کعبہ پولیس تو وہ سانپ ہے جس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ خدا نہ کرے کہ پولیس کو سانپ بننا پڑے۔"

جج صاحب نے کہا۔ "یہ تو درست ہے برخوردار۔ مگر خدا بے وقوف دشمن سے بھی بچائے رکھے۔ حالانکہ تم سے ڈرنے میں وہ بے وقوفی کا نہیں بلکہ عقلمندی کا تھوڑا بہت ثبوت دے رہا ہے۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "یہی تو ایک دکھتی ہوئی رگ ان کی ہاتھ آ گئی ہے اور آئندہ اسی سے سہما سہما کر میں ان کا خون خشک کرتی رہوں گی۔ آج آپ نے اندازہ نہیں کیا کہ ہاشم بھی گویا آج ہی سے اس ڈرامے کے ایک کردار بن گئے ہیں۔ اب میری اور ان کی کھلی ہوئی جنگ ہوگی۔ پھر دیکھیے کہ اس عاشق ناشاد کا کیا حال ہوتا ہے۔"

چچی نے کہا۔ "عاشق واشق وہ خاک بھی نہیں ہے۔ آج تمہاری جگہ اس کو کوئی اور بے وقوف بنانے والی مل جائے وہ اس پر لٹو ہو جائے گا۔"

میں نے کہا۔ جی نہیں چچی! اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو سمجھی ہی نہیں ہیں وہ خود تھوڑی عاشق ہو جایا کرتا ہے اس کو تو خیال یہ ہے کہ یہ لڑکیاں خود اس پر مرتی ہیں۔"

منشی جی نے نقلی دانت پیس کر کہا۔ "جی اور کیا شفتالو کی تو قطع ہے صاحبزادے کی مگر یہ غلط فہمی اکثر نوجوانوں کو ہوا کرتی ہے اب بچوں کے سامنے میں کیا کہوں۔ اللہ معاف کرے۔ یہ دور ہم پر بھی گذر چکا ہے۔"

چچی نے کہا۔ "وہ مہتاب والا دور تو نہیں بھائی صاحب!"

منشی جی نے اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیر کر غمازی ہنسی ہنس کر کہا۔

"استغفر اللہ کیا نام یاد دلا دیا ہے ہو تم بھی بڑی شریر۔ مگر بھئی وہ قصہ تو کچھ اور ہی تھا۔ مہتاب بری تھی یا بھلی مگر کس کو نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ تو خود میں نے بے وفائی کی۔"

جج صاحب نے کہا۔ "مختصر یہ کہ بہت سی چاندنی راتیں آپ پر بھی گذر چکی ہیں۔"

چچی نے کن انکھیوں سے جج صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان پر نہیں

گذرتیں۔ وہ موئی فرنگن کون تھی ایڈنا جھاڑ و پھری پچھلی پیری۔“

جج صاحب نے گھبرا کر کہا۔ ”خیر خیر وہ تو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بہر حال ہاں تو ہاشم میاں اب گویا تمارے تبادلے کا انتظار ہو گا۔“

جج صاحب کے اس گھبرانے اور گھبرا کر گفتگو کا موضوع بدلنے پر سب ہی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی تو جج صاحب نے پھر کہا۔

”بچوں کے سامنے ایسی لغو باتیں نہیں کیا کرتے۔“

منشی جی نے کہا۔ ”اجی بس رہنے بھی دیجئے۔ بچے عشق و محبت کا جیتا جاگتا ناٹک ابھی دیکھ چکے ہیں۔ آج کل کے بچے کیا نہیں جانتے؟ اور سچ تو یہ ہے کہ کب کے بچے کیا نہیں جانتے تھے۔“

ہاشم نے منشی جی کو اور بھی شہ دیتے ہوئے کہا۔ اب ان ہی کو دیکھ لیجئے۔ اس ڈرامے کی ہیروئن کو یہ تو کالج کے زمانے سے اس قسم کے جانور خواہ مخواہ پالتی چلی آ رہی ہیں۔ جب ان کی شادی تک نہیں ہوئی تھی۔

جہاں آرا نے معصومیت سے کہا۔ ”مذاق کی دوسری بات ہے۔ سنجیدگی سے تو صرف ایک ہی جانور پالا تھا۔“

اس پر ایک زبردست قہقہہ پڑا اور ہاشم اس بھرپور چوٹ کی تاب نہ لا کر کھانے کی میز دیکھنے کے بہانے بھاگا، یہاں سے جج صاحب کو البتہ جہاں آرا کی اب ہر بات بہت اچھی لگنے لگی تھی اور سب سے زیادہ وہی دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔

”بھئی عجیب و غریب لڑکی ہے۔ فقرے بازی میں تو جواب نہیں۔ وہ جو لڑکیوں میں ایک خواہ مخواہ کی جھجک اور جھینپ ہوتی ہے۔ اس کا تو کوسوں پتہ ہی نہیں اور اگر سچ پوچھو تو اس تمام مجمع میں وہ بات اگر کسی کی نظر آتی ہے تو ہمارے عزیزم سلمہٗ میں اعجاز میں نظر آتا ہے۔ ذرا ملاحظہ ہو۔ پورا رومال منہ میں ٹھونسے چھوئی موئی کا پودہ بنے بیٹھے ہیں۔“

اعجاز کو دیکھ کر ایک مرتبہ سب کو پھر ہنسی آ گئی جہاں آرا نے کہا۔

”واقعی یہ بہت شرمیلے بہو بیٹیوں کے سے ہیں۔“

منشی جی نے بڑے فخر سے کہا۔ ”صاحبزادی یہ نتیجہ ہے میری تربیت کا۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”تو کیا آپ نے ان کو کسی گرلز کالج میں تعلیم دلوائی ہے۔“

شکر ہے کہ منشی جی یہ بات نہ سمجھے اور نزہت نے آنکھ کے اشارے سے جہاں آرا کو منع کر دیا ورنہ وہ اب اعجاز اور منشی جی کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ ہاشم نے سب کو کھانے کے کمرے میں بلا کر یہ بحث ہی ختم کرا دی۔“

(۲۶)

ہاشم کے یہاں شفقت اور جہاں آرا کا یہ رومانی ڈرامہ دیکھنے کے بعد سے منشی جی میں ایک عجیب انقلاب آ چکا تھا اور وہ جج صاحب کے یہاں جس خیال سے تشریف لائے تھے اور جس نیت سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنے اس خیال اور اپنی اس نیت میں ان کو ترمیم کرنا پڑی۔ شکر ہے کہ وہ اب تک مجھ سے بدعقیدہ نہیں ہوئے تھے۔ اور موقع کی تلاش میں تھے کہ مجھ کو تنہا پا کر اپنے دل کا بھید مجھ پر کھولیں۔ چنانچہ اتوار کی صبح جب میں دانستہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد پھر لحاف میں گھس جایا کرتا ہوں۔ اور اتوار کو اسی لئے نزہت یوم لحاف کہتی ہے کہ میں لحاف ہی میں گھسے گھسے ناشتہ کرتا ہوں۔ لحاف ہی میں گھسے گھسے سگریٹ پھونکا کرتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ نہ غسل کروں، نہ داڑھی بناؤں، نہ کہیں آؤں نہ کہیں جاؤں۔ صرف لحاف ـــ یہ اِن دفایا تھے پڑا

رہا ہوں۔ منشی جی نے مجھ کو لحاف ہی میں آ دبوچا اور وہ اپنا تاریخی حقہ لئے نازل ہو گئے مگر میں نے ان سے صاف کہہ دیا۔ ”معاف کیجئے گا آج اتوار ہے اور اتوار کا دن بقول نزہت کے میرا یوم لحاف ہوتا ہے۔“

منشی جی نے اپنی مقررہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”شوق سے لیٹو۔ ہفتے میں ایک دن تو آرام کا ملتا ہے۔ اگر لحاف نہ ہوتا تو آج بھی تم سے ملاقات نہ ہو سکتی۔ اب تو دو باتیں کرنے کو بھی ترس جاتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”اب تو آپ کو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ مصروفیت کیا ہے اور کتنی دلچسپ مصروفیت ہے۔“

منشی جی نے کہا۔ ”وہ تو سب ٹھیک ہے مگر بھئی مولانا بخدا عجیب زمانہ آ لگا ہے نا صاحب کان پکڑے۔ توبہ توبہ اس قسم کی لڑکیوں کا اپنے یہاں کہاں گذر؟ پھر ان صاحبزادے کا ساتھ جو ان لڑکیوں کے ہاتھوں ایک ہی دن میں سپر چیت بن کر رہ جائیں گے۔ ارادہ یہ تھا کہ گھر کا لڑکا ہے۔ گھر کی لڑکی ہے۔ گھر کی گھر ہی میں بات ہو جائے گی۔ مگر یہاں تو رنگ ایسا دیکھا ہے کہ دل کی دل ہی میں رہ گئی۔“

میں نے کہا۔ ”کیوں خیریت تو ہے بات کیا ہوئی؟“

منشی جی نے کہا۔ ”یار تم بھی بہت بھولے بنتے ہو۔ مولانا اور سچ پوچھو تو تم بھی بس نام ہی کے مولانا ہو۔ صاحب میرے تو پیروں تلے کی زمین نکل گئی جب میں نے اس لڑکی جہاں آرا کو عشق عاشقی کی سی باتیں کرتے سنا۔

خیر وہ تو شادی شدہ ہے مگر یہ نزہت جو اس تماشے میں اس کی برابر کی شریک ہیں بھلا یہ ڈھنگ جوان جہان کنواری لڑکیوں کے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔

میں نے کہا۔ ”صاحب سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ نزہت خود کالج میں پڑھ رہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ زندگی اور زندہ دلی تو خود اس میں بھی کم نہ ہوگی۔ اب اگر آجکل کی تعلیم یافتہ لڑکیوں میں آپ وہ پرانی خصوصیات ڈھونڈیں جو اگلے وقتوں کی بیٹیوں میں ہوا کرتی تھیں کہ چشم فلک بھی ان کو نہ دیکھے۔ گھر میں اس طرح رہیں کہ ؎

ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہیں

کبھی کوئی آواز نہ سنے۔ اور بڑی بوڑھیاں ہر وقت ان کو ٹوکتی رہیں کہ لڑکی دوپٹہ اوڑھنے کا یہ ڈھنگ ہے۔ لڑکی بھلا یہ چال ہوتی ہے۔ بن بیاہی لڑکیوں کی۔ لڑکی کیا دیدوں پانی مر گیا ہے کہ آنکھ چار کر کے بات کرتی ہے۔ تو قبلہ و کعبہ وہ زمانہ مدت ہوئی گذر گیا۔

منشی جی نے کہا۔ ”ہاں صاحب! از روئے قاعدہ ہم کو بھی اس زمانے کے ساتھ ہی گذر جانا چاہئے تھا مگر ہم یہ رنگ دیکھنے کو زندہ رہ گئے ہیں بہر حال ہم سے کیا میاں مسعود کو اختیار ہے کہ وہ نزیا کو آزاد چھوڑ دیں۔“ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا اور جتنا سمجھا سکتا تھا سمجھا دیا کہ زمانہ نازک ہے۔ لڑکی ذات کے لئے اتنی ڈھیل چھوڑنا اچھا نہیں ہے مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز سنتا کون ہے؟؟“

میں نے کہا۔ ”معاف کیجئے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کے اس مشورے میں خلوص نہیں ہے۔ مگر اس زمانے میں آپ کی یہ آواز بہت دور کی آواز محسوس ہوتی ہے جیسے ماضی حال کو پکار رہا ہو اب وہ گذرا ہوا دور آپ کے پکارنے سے واپس نہیں آ سکتا۔ البتہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے زمانے میں لڑکی اپنے والدین کی عزت ہوا کرتی تھی اور اس زمانے میں لڑکی خود اپنی بھی عزت ہے۔“

منشی جی کی سمجھ میں یہ بات نہ آ سکی اور منہ بنا کر بولے۔ ”اماں رہنے بھی دو۔ اب! کیوں میری زبان کھلواؤ گے۔ بھائی میرے تو ہوش اڑ گئے۔ جب میں نے نزیا کے کمرے میں طبلے کی جوڑی اور گھنگرو دیکھے۔ پوچھا تو معلوم ہوا کہ صاحبزادی کو باقاعدہ ناچ کی تعلیم دی گئی ہے۔ استاد آتا تھا اور وہ تھئی تا تھئی سکھاتا تھا۔“

میں نے کہا۔ ”جی ہاں نزہت تو بہت اچھا ڈانس کرتی ہے۔ اپنے کالج کے کنسرٹ میں اور ایک مرتبہ ریڈ کراس کے امدادی شو میں اس کو ناچ کا انعام بھی مل چکا ہے۔ ستار بھی خاصا بجا لیتی ہے اور اب خیال یہ ہے کہ امتحان کے جھگڑے سے چھٹی مل جائے تو گانا سیکھنا شروع کرے گی۔

منشی جی نے واقعی میرے قالین پر تھوکتے ہوئے کہا۔ ”تھو ہے اس شرافت پر۔ لعنت ہے ایسی تعلیم اور عہدیداری پر کہ ڈوم ڈھاری بن گئے اور آپ نمازی پرہیزگار ہو کر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”پھر آپ نے دو مختلف باتیں ملائیں۔ میری نماز کا نزہت کے ناچ سے کیا تعلق ہے؟ آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں گویا میں خود ناچ رہا ہوں۔ یا میں نزہت کو ناچ سکھا رہا ہوں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”میں کہہ یہ رہا ہوں کہ تم بھی تو اس کو برا نہیں سمجھتے۔“

میں نے کہا۔ ”دیکھئے صاحب میرا اصول یہ ہے کہ میں خود اپنی رائے کا پابند دوسرے کو کرنا نہیں چاہتا۔ البتہ یہ میں پھر بھی کہوں گا کہ یہ تربیت ایک علیحدہ چیز ہے اور ذاتی شرافت اس سے بالکل مختلف ہے اور باوجود اس تربیت کے میں یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ نزہت نہایت نیک نہاد اور شریف الخصائل لڑکی ہے اور اپنے کو اتنا لئے دیئے رکھتی ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ایسی ویسی نظر سے دیکھ بھی سکے۔ رکھ رکھاؤ اور ایک خاص وقار ہے اس میں۔“

منشی جی نے بیزاری سے کہا۔ ”جہنم میں گیا رکھ رکھاؤ۔ اور بھاڑ میں گئی یہ شریفانہ خصلت۔ بہرحال میں نے الو اپنے کان پکڑے کہ میں اعجاز کے لئے ان صاحبزادی کا نام بھی نہ لوں گا۔ یہ صاحبزادی میرے لڑکے کو تو تگنی کا ناچ نچا دیں گی۔“

میں نے کہا۔ ”اگر آپ میر مخلصانہ اور بے لوث رائے چاہتے ہیں تو واقعی اعجاز میاں کا اور نزہت کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اعجاز میاں بے چارے نہایت شرمیلے اور دوشیزہ قسم کے جوان واقع ہوئے ہیں۔“

منشی جی نے فخر سے کہا۔ ”جی ہاں! میں نے اٹھان ہی ایسی اٹھائی ہے۔ صاحب آپ کو حیرت ہوگی کہ ابھی دو سال پہلے تک تو یہ صاحبزادے میری یا اپنی ماں کی چارپائی سے چارپائی ملا کر لیٹتے تھے۔ ڈر کے مارے کیا مجال کہ چراغ جلے کے بعد باہر تو نکل جائیں۔ محلے کی لڑکیاں چھیڑتی تھیں۔ ان سے چہلیں کرتی تھیں۔ مگر خدا اس کی عمر میں برکت دے یہ ایسا شرمیلا کہ خاک جو کسی کا کوئی اشارہ سمجھتا ہو۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ محلے کی لڑکیوں نے ان حضرت کا نام اعجاز آپا رکھ چھوڑا تھا۔

میں نے کہا۔ ”ماشاءاللہ واقعی بے حد سعید ہیں۔ خیر اب ذرا اور جھجک تو اتنی نہیں ہے مگر حال اب تک یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی براہ راست ان سے بات کرے تو ان کا اختلاج شروع ہو جاتا ہے۔ نزہت سے بات کرنے میں ہکلاتے ہیں پسینہ پسینہ ہو جاتے ہیں۔“

منشی جی نے کہا۔ ”جی نہیں یہاں رہ کر تو ان صاحبزادے نے بھی خوب پر پُرزے نکالے ہیں اور کافی شوقیاں پیدا ہوگئی ہیں اور کہاں تک اثر نہ پڑتا۔ اسی گھر میں وہ چھیل چھبیلا شفقت رہتا تھا اور اسی گھر میں وہ ان صاحبزادی کو دیکھ رہا تھا کہ لڑکی ذات ہو کر اس کے یہ رنگ ہیں۔ تو ان حضرت نے بھی چیٹ سے پیر نکالے ورنہ اس کو کیا مطلب یہ پتلون وتلون پہننے سے اور روز داڑھی بنانے اور منہ کو چپکانے سے۔ اب تو صاحبزادے وہ لعنتی کافی تک پیتے ہیں۔ چھری کانٹے سے کھانا کھاتے ہیں۔ کل دیکھا میں

نے کہ وہ پروں والی گیند اچھال رہے تھے۔ تپاپی سے میں نے کہا کہ اب کیوں شامتوں نے گھیرا ہے؟ کیوں مینڈکی کو زکام ہو رہا ہے۔ بہرحال بھرپایا میں نے انشاء اللہ ایک آدھ روز میں ان صاحبزادے کو لے کر واپس چلا جاؤں گا اور وہاں ان کو پھر ان کی اوقات پر واپس لانے کی کوشش کروں گا۔"

میں نے کہا۔ "تو کیا واپسی کا قطعی ارادہ ہے۔"

منشی جی نے کہا۔ "ہاں بھائی اب مجھ سے یہاں کے رنگ دیکھے نہیں جاتے۔ دیکھ لینا یہ میاں مسعود سر پر ہاتھ رکھ کر نہ روئیں تو بدل دوں اپنا۔ یہ لونڈیا خود اپنی مرضی کا بر ڈھونڈے گی اور اس وقت ان جج صاحب بہادر کو پتہ چلے گا کہ لڑکی کو آزادی دینے کا کیا نتیجہ ہوا؟"

میں نے کہا۔ "مگر یہ تو جج صاحب خود جانتے ہیں کہ نزہت اپنے شوہر کا انتخاب خود کرے گی اور یہ اس کا حق ہے۔"

منشی جی نے تلملا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "بس تو بس۔ جب وہ خود اپنی ناک کاٹ کر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں تو ہم کون اور آپ کون؟ میں اسی لئے تو یہاں سے جا رہا ہوں کہ مجھ سے کسی دن جھگڑا نہ ہو جائے ان سرپھروں سے۔"

دراصل چلم جل گئی تھی اور خود بھی کافی جل گئے تھے اس لئے مجھ کو نجات مل گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عنقریب مستقل نجات ملنے والی ہے۔"

(۲۷)

جج صاحب کو تو شفقت اور جہاں آرا کے رومانی کھیل کا ایسا چسکا پڑا تھا کہ اگر سہ پہر کو کسی قسم کی کوئی مصروفیت نہیں ہے تو وہ چاہتے تھے کہ ان کو ہاشم کے یہاں پہنچا دیا جائے۔ جی چچی کا بھی چاہتا تھا۔ مگر ان بے چاری کے لئے ان کا موٹاپا ایک مستقل مرض تھا۔ اپنے کمرے سے اٹھ کر کوٹھی کے لان تک جانا ان کے لئے مجاہدے سے کم نہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھی تو بے چاری پر ترس بھی آتا تھا کہ جتنے جج صاحب سوشل ہیں اسی قدر یہ خانہ نشین بننے پر مجبور ہیں۔ ہر دعوت نامے میں نام ان کا بھی ہوتا تھا۔ مگر وہ پچھتر فی صدی ٹال جایا کرتی تھیں اور گو بظاہر جج صاحب ان سے چلنے کے لئے اصرار ہی کرتے تھے مگر جب وہ انکار کر دیتی تھیں تو ان کے چہرے پر ایسا رنگ آ جاتا تھا گویا ایک بوجھ اُتر گیا۔ خود نزہت اپنے باپ کی اس منافقت پر ہنسا کرتی

تھی اور کئی مرتبہ مجھ سے کہہ چکی تھی کہ دیکھئے مولانا یہ ہے دنیا کا رنگ کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کا دل رکھنے کو آپس میں منافقت سے کام لیتے ہیں۔ بہر حال آج بھی جب جج صاحب نے براہ راست جہاں آرا کو فون کیا کہ میری آج کی شام خالی ہے۔ لہٰذا میں تمہارے یہاں وہی تماشا دیکھنے پھر آ رہا ہوں تو اس نے اصرار کیا کہ چچی کو بھی ساتھ لائیے اس کے جواب میں پہلے تو خود ہی جج صاحب نے چچی کی طرف سے معذرت چاہی مگر جب جہاں آرا نہ مانی تو اس سے کہا کہ بھئی تم خود کہہ کر دیکھ لو۔ میں ٹیلیفون ان کے پاس لئے جاتا ہوں۔ اور پھر جج صاحب ٹیلیفون برآمدے سے چچی کے کمرے میں لے گئے۔ غالباً اسی مصلحت سے ٹیلی فون کی ڈوری بہت لمبی رکھوا چھوڑی ہے۔ چچی اپنے کمرے میں اپنے اسی جہاز پر تشریف فرما تھیں جو ان کی مسہری کہلاتا تھا۔ ہر طرف تکئے اور گاؤ تکئے لگے ہوئے تھے تا کہ اسی پر حسب خواہش پہلو بدل لیا کریں۔ چچی دن بھر اسی مسہری پر جلوس فرماتیں اور مسہری کے چاروں طرف ان کے درباری کرسیاں بچھا کر بیٹھا کرتے تھے۔ وہ اخبار اسی مسہری پر پڑھتی تھیں۔ ناشتہ اسی مسہری پر کرتی تھیں اور دن کا کھانا بھی اسی مسہری کے قریب ایک میز بچھا کر چُن دیا جاتا تھا۔ البتہ شام کو جج صاحب کی زبردستی سے وہ ذرا باہر نکل آتی تھیں اور تھوڑی دیر یہ میاں بیوی سبزہ زار پر ٹہل لیتے تھے اور رات کا کھانا عموماً کھانے کے کمرے ہی میں ہوتا تھا۔ بہر حال اس وقت جب جج صاحب نے ان کو فون دے کر کہا

کہ جہاں آرا بات کرنا چاہتی ہے تو جج صاحب کے چہرے سے یہ اندیشہ برس رہا تھا کہ کہیں چچی راضی نہ ہو جائیں مگر وہ خوش ہو گئے جب چچی نے معذرت کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ ایک تو میرے لئے یوں ہی مشکل ہوتا ہے گھر سے نکلنا۔ دوسرے آج تو طبیعت واقعی سست ہے۔ اس کے بعد جج صاحب نے مجھ سے کہہ دیا کہ مجھ کو پہلے ہی کھیپ میں پہنچا دینا تا کہ جب تک تم اپنے ہیرو کو لاؤ میں وہاں چائے سے فارغ ہو لوں۔“

چنانچہ سہ پہر کو اسی پروگرام پر عمل کرتے ہوئے جج صاحب تین بجے اسی کار میں آ گئے جو مجھ کو لینے کالج آیا کرتی ہے میں نے ان کو تنہا دیکھ پوچھا۔ ”یعنی آپ بالکل تنہا ہیں۔ منشی جی تشریف نہیں لائے۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”اب میں جج صاحب کو کیا بتاتا کہ یہ کیڑا کئی دن سے رینگ رہا ہے۔ بہر حال ڈرائیور کو یہیں سے واپس کر کے میں نزہت کو اس کے کالج سے لیتا ہوا ہاشم کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ جہاں ہاشم اور جہاں آرا دونوں میرے منتظر تھے کہ میں جج صاحب اور نزہت کو لے کر کب آتا ہوں۔ جہاں آرا نے سب کا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ”سنئے مولانا طے یہ ہوا ہے کہ آج جب آپ شفقت کو لے کر آئیں گے تو ہاشم غائب ہوں گے اور میں آپ سے کہہ دوں گی کہ فوراً جائیے۔ ہاشم آپ کو کلب میں بلا گئے ہیں۔ وہاں آپ کے منتظر ہوں گے لہٰذا آپ بھی ہم سے رخصت ہو کر ان سب سے کھانے کے کمرے میں جا کر مل جائیے گا آپ کے لئے

چائے کا انتظام ہوگا۔"

میں یہ ہدایات لے کر واپس لوٹا اور کالج پہنچ شفقت کا انتظار کرنے لگا۔ شفقت حسب معمول وقت کی پوری پابندی کے ساتھ پہنچ گیا مگر آج تو خدا کی پناہ وہ سج دھج تھی کہ وہائی ہے۔ فاختی رنگ کی نہایت قیمتی سرج کی بہترین سلی ہوئی شیروانی جالی کھلا چوڑیدار پاجامہ اور پیروں میں سچے کام کی پشاوری سینڈل۔ بھینے بھینے عطر میں ڈوبے ہوئے جیسے ہی وہ قریب آئے میں نے کہا۔

خراماں خراماں معطر معطر
نسیم آ رہی ہے کہ وہ آ رہے ہیں

اس نے ایک ادا سے اپنی کلائی لچکا کر اپنی کلائی گھڑی کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھ لیجئے کس قدر ٹھیک وقت پر پہنچا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "یہ تو میں پہلے ہی سے مانتا ہوں کہ آپ غالباً گھڑی پر سوار ہو کر آتے ہیں۔ بہر حال تشریف لے چلئے۔ میں بھی فارغ ہوں۔"

چنانچہ ان حضرت کو لے کر جب میں ہاشم کے یہاں پہنچا ہوں۔ جہاں آرا اس طرح برآمدے میں ٹہل رہی تھی گویا انتظار کی پہاڑ سی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹتیں۔ ہم دونوں کو دیکھتے ہیں اس نے پہلے تو کچھ مجھ سے کہنا چاہا۔ پھر شفقت کو دیکھ کر کچھ ٹھٹھک سی گئی اور آخر اس نے سر سے پیر تک شفقت کو دیکھ کر کہا۔ اللہ جانے فلم بے حیا نہیں ورنہ اس وقت ایک تصویر لے لیتی۔"

شفقت نے کہا۔ "کیوں آج کوئی خاص بات ہے؟"

جہاں آرا نے کہا۔ "ہاں آپ کے لئے تو کبھی خاص بات نہیں ہوتی۔ مگر شیروانی واقعی اچھی ہی سلی ہوئی ہے۔"

شفقت نے کہا۔ "سی بھی تو اس نے ہے جو قاعداعظم کی شیروانیاں سیتا تھا۔ مولانا! واقعی ختم ہے اس درزی پر شیروانی کا سینا۔"

میں نے کہا۔ "بابا بقول جہاں آرا کے آدمی کا جسم ہونا چاہئے تم چاہے کسی موچی سے سلوا کر پہن لو کپڑا اچھا ہی لگے گا تم پر۔"

جہاں آرا نے کہا۔ "اب دیکھئے میری آنکھوں میں خاک، سینہ اور کندھے اس صحیح تناسب سے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ مع ہینگر کے شیروانی پہن آئے ہیں۔"

میں نے ہنسی ٹالنے کو کہا۔ "اور وہ کہاں ہیں آپ کے فدوی؟"

جہاں آرا نے کہا۔ "ارے ہاں توبہ ہے۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر میں ان کو تو بھول ہی جاتی ہوں وہ کہہ کر گئے ہیں مولانا کو فوراً کلب بھیج دو میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے آج وہ کھلائے گا مجھے جوا اور میری جیب میں دام بھی نہیں ہیں۔"

شفقت نے جیب سے پرس نکال کر کئی سبز نوٹ دکھاتے ہوئے کہا۔ "داموں کی کیا کمی ہے مجھ سے لیجئے۔"

میں نے چلتے ہوئے کہا۔ ”شکریہ آپ کا۔ میں تو دراصل کھیلنا ہی نہیں چاہتا۔ بہرحال میں پہنچ جاؤں گا تھوڑی دیر میں۔“

اور وہاں سے رخصت ہو کر میں کھانے کے کمرے میں آ گیا جہاں تماشائی یہ تماشا دیکھنے میں محو تھے۔ میں نے چائے اپنے لئے تیار پائی اور نزہت نے پیالی بنا دی۔ میں چائے پیتا رہا۔ ادھر جہاں آرا اور شفقت میں گاڑھی چھنتی رہی۔ جہاں آرا نے آج پھر وہی بات چھیڑی۔ خدا کے لئے مجھے یہ تو بتاؤ کہ چھپی چھپوں کا کھیل آخر کب تک جاری رہے گا اور اب تو مجھے اور بھی کوفت ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ ان حضرت کو واقعی کچھ شک پیدا ہو گیا ہے اور وہ نگرانی بھی فرما رہے ہیں۔“

شفقت نے کہا۔ ”پھر تو ہم کو اور بھی احتیاط ہی سے کام لیتے رہئے۔ آپ کو دوسرے کے جذبات سے کیا سروکار۔ میں یہ کہتی ہوں کہ اب کھل کر سامنے آجانے کا وقت ہے۔ کل کہہ رہے تھے کہ مجھے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک سایہ ہے جو میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو رہا ہے۔ چنانچہ کئی دن سے بھرا ہوا پستول ساتھ رکھتے ہیں۔“

شفقت کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور بمشکل تمام وہ یہ کہہ سکا۔ ”میری رائے یہ ہے کہ میں یہاں آنا ذرا کم کر دوں۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”تو کیا آپ کی لائف انشور نہیں ہے؟“

شفقت نے کہا۔ ”صاحب لائف انشور ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ آدمی جان بوجھ کر موت کے منہ میں چلا جائے۔“

جہاں آرا نے بڑی افسردگی سے کہا۔ ”کاش یہ مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا کہ آپ مجھ کو اس طرح منجدھار میں تنہا چھوڑ دیں گے۔“ اور لگی منہ ڈھانپ کر رونے۔

شفقت نے گھبرا کر کہا۔ ”بھئی توبہ ہے تم سے بھی۔ صاحب بات تو سنئے۔ میں بخدا دوسری ہی بات کہہ رہا ہوں۔ اچھا اگر تمہارا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے بھرے ہوئے پستول کا مجھ کو نشانہ بنا دیں تو سر تسلیم خم ہے۔“

جہاں آرا نے اپنے کو سنبھال کر کہا۔ ”اس قسم کے معاملات میں موت سے تو کھیلنا ہی پڑتا ہے۔ وہی مثل کہ۔

جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

”تو پھر میں صاف کہہ دوں اُن سے“

شفقت نے اس کے جواب میں اس حسرت سے جہاں آرا کو دیکھا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ہنسی روکنا مشکل ہو گیا اور آخر ہاشم کے ساتھ میں باہر آ گیا کہ غریب کہیں سہم سہم کر اپنے قلب کی حرکت نہ بند کر بیٹھے۔“

(۲۸)

ہاشم کے گھر سے جس وقت میں جج صاحب اور نزہت کو لے کر جج صاحب کی کوٹھی واپس آیا ہوں یہاں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ در و دیوار سے ویرانی برس رہی تھی ۔ صرف بیرا سر جھکائے برآمدے میں کھڑا تھا۔ جج صاحب نے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ’’کیا بات ہے بیرا؟‘‘

اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ’’آپ بیگم صاحب کے کمرے میں چلے جایئے۔‘‘

جج صاحب نے تشویش سے پوچھا۔ ’’مگر بات کیا ہے؟ بتاتا کیوں نہیں۔‘‘

بیرے نے کہا۔ ’’منشی صاحب کچھ ناراض ہو کر بہت چیخے چلائے

ہیں اور بیگم صاحب جب سے برابر رو رہی ہیں۔‘‘

جج صاحب نے میری طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ’’آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا ناممکن ہے کہ یہ حضرت آئیں اور بغیر ہنگامہ برپا کئے ہوئے واپس چلے جائیں۔‘‘

اور یہ کہہ کر ہم سب کو ساتھ لئے چچی کے کمرے میں پہنچ گئے جو اپنی اسی مسہری پر لحاف اوڑھے لیٹے پڑی تھیں اور آپا پیر دبا رہی تھی۔ جج صاحب نے کمرے کی تمام بتیاں روشن کر کے چچی کے منہ سے لحاف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ’’کیا بات ہوئی بیگم۔‘‘

چچی نے اپنے کو بمشکل شگفتہ بنا کر کہا۔ ’’بات کیا ہوتی وہی جس کا روز ہم آپ سب انتظار کیا کرتے تھے۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’پھر بھی اس طوفان کے لئے بہانہ کی کیا بات بنی؟‘‘

چچی نے کہا۔ ’’بس آپ کے جانے کے بعد ہی وہ میرے کمرے میں آ گئے اور لگے بکنے جو منہ میں آیا کہ تم لوگ اپنی اصلیت کو بھول گئے ہو۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’اصلیت سے کیا مطلب؟ یعنی ہم ان کے نزدیک کچھ بدقوے ہیں اور اب اپنے کو کچھ بہتر بنا کر پیش کر رہے ہیں۔‘‘

چچی نے کہا۔ ’’نہیں ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم کچھ ضرورت سے زیادہ آزاد خیال ہو گئے ہیں۔ سو باتوں کی ایک بات یہ کہ ان سے بے پی

کی یہ آزادی نہیں دیکھی جاتی۔ ایک ایک بات پر تو وہ ٹوکتے ہیں۔ آج کہنے لگے کہ ڈوب مرو اگر غیرت ہو کہ لونڈیا کو طبلے کی تھاپ پر کولے مٹکانا سکھایا جا رہا ہے۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’پھر ان کا اجارہ؟‘‘ ’’بھئی ہماری لڑکی ہے ہم جو چاہیں کریں وہ کون؟ خیر وہ تو حماقت کی باتیں کرتے رہے۔ مگر جناب کس تقریب میں روئی تھیں؟‘‘

چچی نے مسکرا کر کہا۔ ’’نہ لیکن۔ البتہ جب ایک آدمی بکے جائے گا تو کہاں تک کوئی سنے۔ میں نے بھی آخر کہہ دیا کہ بھائی صاحب آپ کو یہ باتیں ناگوار ہیں تو چپ ہو رہیے۔ برا بھلا تو اس وقت کہیے اگر ہم آپ سے کہیں کہ خدارا ہماری لڑکی کو سمیٹ لیجیے۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’مصیبت تو یہی ہے کہ وہ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ گویا ان کے اس چغد لونڈے اعجاز کو بے بی کے لئے پسند کیا جا سکتا ہے۔ پہلے انہوں نے اس کو بھیجا وہ ایک ہی گاؤدی۔ لڑکا اتنے دن یہاں رہا اور بات کرنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ مولانا آپ کو نہیں معلوم۔ یہ صاحبزادے جب تشریف لائے ہیں تو چائے کی پیالی میں ٹوسٹ توڑ کر بھگو لیا کرتے تھے اور چمچے سے شڑپ شڑپ کر کے وہ ملغوبہ کھاتے تھے۔ میز پر کھانا کھاتے تو یہ حال ہوتا کہ ہم لوگوں کو ابکائیاں آتی تھیں۔ صاحب' یہ ایڈیٹ انگلیاں منہ میں ڈال کر چاٹا کرتا تھا۔ چاول اس طرح اپنی پانچوں انگلیوں سے مسل مسل

کر کھاتا تھا کہ ناقابل برداشت ہو جاتا تھا وہ منظر خیر اتنے دن یہاں رہنے کا نتیجہ یہ تو ہوا کہ ان برخوردار نے آدمیت کے جامے میں آنا شروع کر دیا تھا۔ مگر وہ ٹھہرا جاہل مطلب بولنے میں تلفظ کی اور لکھنے میں املا کی غلطیاں کرتا ہے اور اس قابل تو وہ ہے ہی نہیں کہ کسی مہذب سوسائٹی میں اب بھی اس کو لے جایا جائے۔‘‘

چچی نے کہا۔ ’’یہ تو ہم آپ کہتے ہیں نا۔ مگر بھائی صاحب تو اپنے اسی جنگلی پر ایسا فخر کرتے ہیں کہ میں کیا کہوں۔ کہنے لگے کہ میں اپنی حماقت سے یہی ارادہ لے کر آیا تھا کہ نزیا اور اعجاز کے فرض سے ہم دونوں سبکدوش ہو جائیں مگر میں تو اب کان پکڑتا ہوں۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ وہ کان پکڑ رہے ہیں ورنہ مجھ کو یہ خدمت انجام دینا پڑتی اگر وہ اس نسبت کا ذکر چھیڑتے۔ بہر حال اب کیا ہے ان کا پروگرام؟‘‘

چچی نے کہا۔ ’’سامان باندھ رہے ہیں۔ اعجاز نے دبی زبان سے کہا کہ میں فی الحال جانا نہیں چاہتا تو اس کی وہ مرمت کی ہے کہ مجھے تو تعجب ہی ہو گیا کہ جوان لڑکے بھی اس طرح پیٹے جا سکتے ہیں۔ جوتا تک لے کر دوڑے اس کے پیچھے۔ بہر حال شاید اسی وقت چلے جائیں۔‘‘

جج صاحب نے کہا۔ ’’خس کم جہاں پاک۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا ان کا سامنا نہ ہو۔ ورنہ ضبط کی انتہا ہو چکی ہے میں ان کی ایسی خبر لوں گا کہ وہ بھی

یاد کریں۔“

جج صاحب یہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ بیرے نے ایک لفافہ لا کر ان کو دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ اعجاز صاحب نے دیا ہے۔“

جج صاحب نے لفافہ لے کر پہلے مختلف جیبوں میں چشمہ ٹٹولا۔ پھر مجھ سے کہا۔ ”مولانا سناؤ پڑھ کر کیا لکھا ہے۔“

میں نے لفافہ کھول کر خط پڑھنا شروع کیا۔ ”جناب خالو صاحب قبلہ مدظلہ گذارش یہ ہے کہ آج والد صاحب قبلہ اور خالہ صاحبہ محترمہ کے درمیان جو رنجش ہو گئی ہے اس کی سزا مجھے بھگتنا پڑ رہی ہے۔ اور میں مجبور کیا جا رہا ہوں کہ اسی وقت والد صاحب کے ہمراہ واپس جاؤں مگر میں کسی طرح نہیں چاہتا کہ میں یہاں سے جاؤں۔ میں یہ خط بھی غسل خانے میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں۔ اس لئے کہ والد صاحب ایک منٹ کے لئے بھی اس کے روادار نہیں کہ میں یہاں ہوں۔ میں والد صاحب کی ہر ناراضگی برداشت کر سکتا ہوں۔ مجھ کو یہ بھی منظور ہے کہ مجھ کو عاق کر دیں اور کبھی میری صورت نہ دیکھیں۔ بشرطیکہ آپ میرے سر پر ہاتھ رکھیں اور مجھ کو اپنی غلامی میں قبول کر لیں۔“

جج صاحب نے چیخ کر کہا۔ ”بس کرو مولانا میں نہیں سننا چاہتا یہ بکواس۔“

چچی نے کہا۔ ”یہ صاحبزادے تو چھپے رستم نکلے۔ گویا براہ راست نسبت دے رہے ہیں۔ مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔“

جج صاحب نے بڑی تلخی سے کہا اور رکھو اس کو کلیجہ سے لگا لگا کر اور پالو آستین میں یہ سانپ۔“

نزہت نے کہا۔ ”ڈیڈی یہ خط تو آپ انکل کو ضرور دے دیجئے۔“

میں نے کہا۔ ”انہیں کیا فائدہ۔ اس خط کا جواب بس یہی ہے کہ آپ کوئی جواب نہ دیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ مگر ذرا دیکھتے تو سہی مولانا کہ یہ اس اعجاز کا خط ہے جس کے متعلق خیال یہ تھا کہ اس کو بات کرنا ہی نہیں آتی۔“

چچی نے کہا۔ ”وہی تو میں بھی کہہ رہی ہیں کہ یہ تو بڑے چھپے رستم نکلے وہی مثل کہ منہ لگائی ڈومنی گائے تال بے تال۔“

جج صاحب نے کہا۔ واقعی میری بھی وہی رائے ہے جو بے بی کی ہے۔ یہ خط میں ان کے باوا جان کی خدمت میں بھیجدوں۔“

چچی نے کہا۔ ”جانے بھی دیجئے اور ان کو دفع ہی ہونے دیجئے۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اس مرتبہ یہ ہمیشہ کے لئے روٹھ کر جا رہے ہیں۔“

بیرے نے پھر آ کر کہا۔ ”مولانا صاحب آپ کو یاد کر رہے ہیں منشی جی۔“

جج صاحب نے بگڑ کر کہا۔ ”کہہ دو ان سے کہ نہیں آئے مولانا۔“

چچی نے کہا۔ ”نہیں نہیں یہ غلط ہے میرے خیال میں مولانا کو چلا جانے دو۔ دیکھیں ان سے کیا کہتے ہیں۔“

بیرے نے کہا۔ ”تانگے پر سامان رکھوا چکے ہیں شاید ملنے اور رخصت ہونے کو بلایا ہے۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”جایئے مولانا۔ مگر دب کر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات کہیں تو منہ توڑ جواب دیجئے گا۔“

میں جج صاحب کی یہ ہدایت لے کر باہر جو آیا تو معلوم ہوا کہ کوٹھی کے پھاٹک پر تانگے کے پاس منشی جی مع اپنے برخوردار کے کھڑے ہیں۔ چنانچہ میں بھی وہیں حاضر ہوا۔ مجھ کو دیکھتے ہی منشی جی اپنا حقہ اعجاز کے ہاتھ میں دے کر میری طرف بڑھتے ہوئے بولے۔“

”لو بھئی مولانا ہم تو چلے بلکہ چلے کیا وہی جو کسی شاعر کا کہنا ہے کہ ۔

آبرو دے کر تیری جنت سے ہم نکلے

میں اس مصرع کو اپنی جگہ سمجھتے ہوئے کہا۔ ”جی ہاں مجھے تو ابھی معلوم ہوا کہ ایک دم آپ چل ہی دیئے۔“

منشی جی نے کہا۔ ”انشاء اللہ آپ کا بھی یہی حشر ہوگا۔ مولانا۔ اس گھر میں کسی غیرت دار کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ بہرحال میں تو آپ کو پہلے ہی بتا چکا تھا کہ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ بخدا پاگل خانہ ہے۔ یہ گھر ایک سے ایک سرپھرا موجود ہے یہاں۔ حد یہ ہے کہ وہ میری موٹلی سالی اس کا بھی دماغ خراب ہوگیا ہے۔ جج کی جورو بن کر خیر چھوڑیئے اس قصے کو۔ صرف آپ ایک یہاں ایسے ہیں کہ آپ سے رخصت ہو کر جا رہا ہوں۔ میرا کہا سنا

معاف کیجئے گا۔“

میں نے کہا۔ ” آپ بزرگ ہیں۔ دوسرے آپ نے کہا ہی کیا ہے؟“

منشی جی نے گلے مل کر رخصت ہوتے ہوئے کہا۔ ”اچھا بھائی خدا حافظ! میں نے اعجاز سے بھی ہاتھ ملایا اور پھر یہ دونوں باپ بیٹے تانگے پر بیٹھ کر روانہ ہوگئے۔

(۲۹)

آج جج صاحب نے یوم نجات منایا اور چونکہ کالج میں چھٹی تھی۔ لہٰذا طے یہی پایا کہ لنچ پر ہاشم اور آرا کو بھی بلا لیا جائے اور یہاں سے سب ساتھ ان کے گھر جا کر حسب معمول شفقت اور جہاں آرا کا ڈرامہ دیکھیں۔ چنانچہ اس پروگرام کی اطلاع نزہت نے جہاں آرا کو کر دی اور تو اور آجکل جہاں آرا اور نزہت کی بڑی گاڑھی چھن رہی تھی۔ وہ زبردست بہناپا ہوا تھا کہ ایک کو دوسرے کے بغیر چین ہی نہ تھا۔ حد یہ ہے کہ نزہت نے ہاشم کو باقاعدہ دولہا بھائی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی خبر جج صاحب کو بھی تھی اور چچی کو بھی۔ اور یہ دونوں بھی اس اتحاد سے خوش تھے اس لئے کہ جہاں آرا کو یہ دونوں بھی بہت پسند کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی نزہت جب جہاں آرا کو فون کر کے آئی تو اس نے کہا۔

”ڈیڈی میں نے دونوں سے کہہ دیا ہے کہ آج کا کھانا میرے اور تمہارے بہناپے کی تقریب کا کھانا ہے۔“

جج صاحب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ غلط ہے۔ یہ کھانا صرف یوم نجات کی تقریب میں ہے کہ خدا نے ہم کو منشی امتیاز علی ایسی بلائے بے درماں سے نجات دی ہر چند کہ ہم گنہگار اس بخشش اور اس کے کرم کے مستحق نہ تھے۔ مگر گناہ گاروں پر بھی رحمتیں برسانے والے مولا نے ہماری بے کسی اور بے بسی دیکھ کر ہم کو اس عذاب سے نجات دی۔“

چچی نے کہا۔ ”سچ مچ آج تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی قید سے رہائی ملی ہو۔“

جج صاحب نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”رہائی تو ہے ہی جیلر صاحب جو تشریف لے گئے۔ بہرحال اس کھانے کو تو اعلان کے ساتھ صرف یوم نجات کا کھانا کہوں گا۔ تمہارے بہناپے کی تقریب پھر سہی اس میں صرف کھانا تھوڑا ہوگا۔ اس میں تو دوپٹے بدلے جائیں گے۔ تم دونوں ایک دوسرے کا منہ میٹھا کرو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔“

میں نے کہا۔ ”صاحب آپ لوگوں نے تو منشی جی کو یہاں سے روانہ کر کے مجھ کو ویران کر دیا۔ میرا ہی کمرہ تو ان کا ہیڈ کوارٹر تھا اور میں ہی ان کا ندیم خاص تھا۔ کالج جانے سے پہلے اور کالج سے آنے کے بعد پھر رات کو کھانے کے بعد۔ اب کون میری مجلس گرم کرے گا۔“

چچی نے کہا۔ ''ہاں بھئی تمہارے بھی دل گردے کا جواب نہیں ہے۔''

نزہت نے کہا۔ ''آپ کے کمرے کا تمام سامان، اگر آج کھانا نہ ہوتا تو نکال لیا جاتا۔ کمرہ دھلتا وہائٹ واش ہوتا اور پھر سے اس کو ٹھیک کیا جاتا وہ کمرہ تو خاصہ کباڑ خانہ بن کر رہ گیا ہے۔ قالین میں نہ جانے کتنے گیلن حقے کا پانی جذب کیا گیا ہے۔''

جج صاحب نے کہا۔ ''وہ قالین بدلوا دو۔ خیر تم فکر نہ کرو میں خود ہی کل ان کا کمرہ ٹھیک کراؤں گا۔ اپنی خاص نگرانی میں یہ میرے محسن ہیں کہ ان بے چارے نے منشی امتیاز علی ایسے خدائی فوجدار کی موجودگی میرے لئے جہاں تک ان سے ہوسکا غیر محسوس بنانے کی کوشش کی۔''

چچی نے کہا۔ ''واقعی بے چارا ہمارا عذاب اپنی جان پر جھیلتا رہا۔''

نزہت نے کہا۔ مگر انکل بھی ان سے اتنے خوش تھے حیرت ہی ہوتی تھی۔ شاید ہی وہ کبھی کسی سے اتنا خوش رہے ہیں۔''

جج صاحب نے کہا۔ نہیں صاحب یہ یقیناً جادوگر ہیں بلکہ میں تو ان کو یہ رائے دینے والا تھا کہ خواہ مخواہ کالج میں پروفیسر بنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سرکس کے لئے جانور سدھانے کا کام شروع کر دیں تو اس سے بہت زیادہ اچھے رہ سکتے ہیں۔''

دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ جج صاحب آج بہت دن کے بعد ترنگ میں آئے تھے اور وہ واقعی یوم نجات منا رہے تھے۔ کئی مرتبہ تو ان کو

سیٹی بجاتے دیکھا۔ بات بات میں ہنس دیتے تھے۔ بیوی سے بھی چہلیں ہو رہی تھیں۔ نزہت کو بھی چھیڑ رہے تھے اور تو اور بیرے کو بھی اپنا ایک پرانا کوٹ بخش دیا۔ میرے کمرے کے لئے بھی نئے قالین کی منظوری دے دی بلکہ میرے کمرے کو خود اپنی نگرانی میں ٹھیک کرانے کا ارادہ کر لیا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ اب اس کمرے کا تمام فرنیچر بدل جائے گا۔ نہ جانے کتنی قیمتی چیزیں اس میں سجادی جائیں گی اور اب یہ کمرہ ہو جائے گا واقعی ٹھاٹھ دار۔ اس لئے کہ جج صاحب یا تو کسی طور متوجہ ہی نہیں ہوتے اور اگر توجہ فرما دیں کسی طرف تو اپنی فیاضی اور اولوالعزمی کی حد دکھا دیتے تھے۔''

کھانے کے وقت سے کچھ پہلے ہی ہاشم اور جہاں آرا بھی آموجود ہوئے۔ اور جج صاحب نے پہلے تو ان دونوں کو منشی اور اعجاز کے جانے کا مژدہ سنایا۔ اس کے بعد تفصیل سے منشی جی کا تعارف کرایا کہ یہ حضرت خداوند کریم کے جلال کا کیسا نمونہ تھے۔ اور عذاب جہنم کی کتنی ہولناک قسم واقع ہوئے تھے۔ مگر جہاں آرا نے پوری روداد سن کر کہا۔

''واہ چچا میاں آپ نے میرا ایک لاجواب شکار بھگا دیا۔ آپ کو کیا معلوم ہے شفقت کے بعد میرے پروگرام میں اعجاز ہی تو تھے۔ ہائے وہ ان کی ناکتخدا ادائیں۔ وہ ان کے بہو بیٹیوں کے سے انداز ایسے چھوٹی موئی انسان کہاں ملتے ہیں۔ ان کے لئے تو ع

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

جج صاحب نے کہا۔ ’’خیر وہ اس ڈھب کے نہ تھے۔‘‘

چچی نے کہا۔ ’’یہ کیا کہا۔‘‘ ’’اس خط کے باوجود ان میں ذرا مشکل ہی سے ان کا شکار بننے کی صلاحیت پیدا ہو سکتی تھی۔‘‘

جہاں آرا نے کہا۔ ’’یہ تو چچا میاں آپ فن کی تحقیر کر رہے ہیں۔ یہی تو میرا کمال ہوتا کہ میں آپ کو ان ہی برخوردار کی سعادت آثاری کے تماشے دکھاتی۔‘‘

ہاشم نے کہا۔ ’’صاحب یہ بڑی بلا ہیں۔ کالج میں ایک سے ایک زاہد خشک کو انہوں نے ایسا شیشے میں اتارا کہ توبہ توبہ۔ وہ تو کہئے کہ خوش نصیب تھا۔ اعجاز ان کے ہتھے نہیں چڑھا ورنہ گت بن جاتی غریب کی۔‘‘

کھانے کے کمرے کی گھنٹی بجی اور ہم سب میز پر آ گئے۔ پرتکلف کھانا اور بے تکلف محفل، لطف آ گیا اس کھانے کا۔ واقعی ہاشم اور جہاں آرا تو اس گھر میں ایسا گھل مل گئے تھے کہ ان کو مہمان کہنا ہی غلط ہے اور جج صاحب اور چچی بھی ان کو اپنے گھر ہی کے افراد میں شامل سمجھتی تھیں۔ ہاشم باقاعدہ اس گھر کا داماد بنا ہوا تھا اس لئے کہ نزہت کے دولھا بھائی کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوکر چار سب دولہا میاں کہنے لگے تھے۔‘‘

کھانے کے بعد کچھ دیر محفل جمی رہی پھر جج صاحب اور چچی، جہاں آرا اور نزہت تو ہاشم کی گاڑی پر ہاشم کے ساتھ روانہ ہو گئے اور میں کالج میں روانہ ہوا۔ اس لئے کہ شفقت سے طے تھا کہ کالج کھلا ہو یا بند بہر حال وہ کالج ہی پہنچ جایا کرے گا۔ چنانچہ وہ مقررہ وقت پر کالج پہنچ گیا۔ اور میں اسے لے کر ہاشم کے گھر جا پہنچا۔ اس وقت ہاشم اور جہاں آرا دونوں بیٹھے چلغوزے کھا رہے تھے۔ ہم لوگ اس میں شریک ہو گئے اور جو بات شفقت نے راستے میں ادھوری چھوڑی تھی وہ پھر شروع کر دی۔

ہاں تو مولانا آپ کا خیال یہ ہے کہ منشی امتیاز علی مع اپنے فرزند دلبند کے خواہ مخواہ ہی تشریف لے گئے۔

میں نے کہا۔ ’’مجھ کو تو یہی علم ہے‘ آپ نے کیا کچھ اور سنا ہے۔‘‘

شفقت نے کہا۔ ’’اب مجھ سے سنئے کہ واقعہ یہ ہوا کہ منشی امتیاز علی اس غرض سے آئے تھے کہ اعجاز کی نزہت کے ساتھ کم سے کم منگنی کرا کے منگنی کی انگوٹھی نزہت کو ضرور پہنچا دیں۔ وہ ہماری معلی چچی بھی یہی چاہتی تھی اور ہمارے چچا تو آپ جانتے ہی ہیں کیا نہایت چغد واقع ہوئے ہیں جورو کے غلام۔ چنانچہ وہ بھی راضی ہو گئے تھے مگر عین وقت پر نزہت نے انکار کر دیا۔‘‘

جہاں آرا نے کہا۔ ’’نزہت یہ تو شاید کسی خاتون کا نام ہے۔‘‘

شفقت نے کہا۔ ’’ہاں ہاں جج صاحب کی صاحبزادی تو صاحب ان صاحبزادی۔ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ اگر شفقت سے میری شادی نہیں ہو سکتی تو اس بیہودے سے بھی نہیں ہو سکتی۔‘‘

شفقت نے کہا۔ ’’اسی وجہ سے تو مجھے وہ گھر چھوڑنا پڑا کہ وہ عزیزہ خواہ مخواہ اپنے کو میرے سر منڈھنے پر تلی ہوئی تھیں۔‘‘

ہاشم نے کہا۔ ”مولانا! یہ وہی لڑکی تو نہیں جو آپ کے ساتھ کالج جایا کرتی ہے۔ وہ تو بڑی معقول لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اگر شفقت صاحب اس سے بھاگے ہیں تو تعجب ہی ہے۔“

جہاں آرا نے کہا۔ ”خیر شفقت صاحب اس پر پھر تفصیلی باتیں ہوں گیں۔ ہاشم تم چائے منگواؤ۔ میں چائے پی کر ذرا آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

میں سمجھ گیا تھا کہ جہاں آرا ان گستاخیوں کی تاب نہیں لاسکی جو شفقت نے جج صاحب، چچی اور نزہت کی شان میں کی ہیں اور وہ اس محفل کو اس وقت ختم کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا یہ محفل چائے کے بعد ختم ہوگئی۔

(۳۰)

میرا خیال درست نکلا۔ واقعی جہاں آرا نے شفقت کی یہ بے ہودہ گوئی اس حد تک برداشت کی کہ اس کا سارا موڈ ہی ختم ہوگیا۔ چنانچہ جب میں شفقت کو پہنچا کر پھر ہاشم کے یہاں آیا ہوں۔ تو وہ ایک دم مجھ پر برس پڑی۔

”دیکھئے مولانا! اب یہ مذاق ختم یہ شخص اب اپنی حدوں سے گذرتا جاتا ہے میں نے اپنے کو بہت سنبھالا۔ ورنہ جی چاہتا تھا کہ جوتی اتاروں اور تاجپوشی شروع کردوں۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”آج صاحبزادی تم بری طرح فیل ہوگئیں۔

ایک اداکار کو اپنے ذاتی جذبات اور محسوسات سے اسٹیج پر کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے مگر آج تم اپنے جذبات کی رو میں بہہ گئیں۔"

ہاشم نے کہا۔" واقعی یہ کیفیت میں نے ان کی کبھی نہیں دیکھی۔ مجھے خود حیرت ہو رہی تھی۔"

چچی نے کہا۔ اس میں حیرت کی تو کوئی بات نہیں۔ وہ سعادت مند اپنے اس چچا کو گالیاں دے رہا تھا جس نے ہمیشہ اپنی جان چھڑکی ان لوگوں پر۔ پہلے ان صاحبزادے کے والد کا گھر بھرا۔ پھر خود ان کو سمیٹا۔"

جج صاحب نے کہا۔" خیر وہ سب میرے فرائض تھے اور میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ اب یہ برخوردار اپنا فرض پورا کر رہے ہیں۔ البتہ بے بی کے متعلق جو بیہودہ گوئی وہ کر رہا تھا اس وقت ذرا مجھ کو بھی طیش آ چلا تھا۔ مگر میں نے فوراً اپنے کو سنبھالا کہ یہ تو تماشا ہے۔ تمثیل پر میں واقعہ کا گمان کیوں کروں مگر خود یہ صاحبزادی آج اپنے فن میں ناکام رہ گئیں۔"

جہاں آرا نے کہا۔" فن گیا بھاڑ میں۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کوئی فن کے پیچھے اپنے بزرگوں کو گالیاں کھلوائے اور ذرا غلط فہمیاں تو دیکھئے کہ نزہت نے میری وجہ سے انکار کر دیا ہے۔ جی چاہا کہ جوتی کے تلے پر آئینہ رکھ کر ان کے سامنے پیش کر دیا جائے کہ ذرا منہ تو دیکھئے اپنا نزہت تو ایسوں کے سامنے گھاس بھی نہ ڈالے۔"

جج صاحب نے کہا۔" مگر مولانا سوال یہ ہے کہ رات گئے ہیں منشی

امتیاز علی اور آج ہی ان صاحبزادے کو خبر بھی ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے ان سے ذکر کیا ہو گا ورنہ پھر ان کو کیسے خبر ہو گئی؟"

میں نے کہا۔" یہ سوال میں خود ان حضرت سے کر چکا ہوں۔ اس کے جواب میں کہنے لگے کہ مولانا میری سی۔ آئی ڈی بھی وہاں موجود ہے اور میرے جاسوس منٹ منٹ کی خبر مجھ کو لا کر دیتے ہیں۔"

چچی نے کہا۔" ہو نہ ہو۔ یہ ہمارا ہیرا ہے۔ وہی اس کا سب سے بڑا طرفدار تھا اور اسی نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ صاحبزادے صاحب ملے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میرا پیلا سوٹ کیس بیگم صاحب کی اجازت لے کر مجھ کو لا دو۔ میں نے اس کو ڈانٹ دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نمک حرام اس سے اب تک مل رہا ہے۔

نزہت نے کہا۔" ممی آپ نے رات اس کی بات نہیں سنی۔ کہہ رہا تھا کہ اس گھر سے بے قصور نکال دیئے جاتے ہیں اور جو آستین کے سانپ ہوں وہ پالے جاتے ہیں۔ آج پتہ چلا ہو گا صاحب کو بھی کہ ان کے اصل دشمن تو یہ تھے منشی جی۔"

جج صاحب نے کہا۔" مولانا سب سے پہلا کام تو یہ کرنا چاہئے کہ اس ہیرے کا حساب کیا جائے۔ میں اس سے نہیں گھبراتا کہ وہ جاسوسی کر رہا ہے۔ بلکہ اس قسم کے لوگ جو گھریلو سیاست میں حصہ لینے لگیں۔ خطرناک ہوتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ “میں تو شکر یہی ادا کرتا ہوں کہ اس بیرے نے میرے متعلق شفقت سے کچھ نہیں کہا ہے۔ ورنہ یہ کھیل جو ہم سب کھیل رہے ہیں۔ ناممکن ہو جاتا۔”

ہاشم نے اپنی تجربہ کارانہ رائے دی۔ “صاحب پولیس کا ڈی۔ ایس۔ پی میں ہوں اور تفتیشی باتیں آپ سب کر رہے ہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ بیرا ابھی شاید کبھی شفقت سے ملا ہو۔ مگر وہ شفقت کا باقاعدہ جاسوس ہرگز نہیں ہے۔ ورنہ شفقت کو یہ بھی اطلاع ہوتی کہ ہم لوگ کبھی کبھی وہاں جایا کرتے ہیں۔ شفقت کو یہ بھی خبر ہوتی کہ نزہت یہاں آتی ہیں۔”

جج صاحب نے کہا۔ “ہاں صاحب' واقعی پولیس کا ایک تجربہ کار افسر یہ بات تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ منشی جی کے جانے کی خبر اس کو ہوئی کیسے؟”

ہاشم نے کہا۔ یہ بتایئے کہ کوٹھی کے باہر جو تانگہ آپ نے دیکھا تھا مولانا وہ محلے کا تو نہیں۔”

جج صاحب نے کہا۔ “بس بس میں سمجھ گیا۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ یقیناً وہ جمن تانگے والا ہوگا جو کوٹھی کے سامنے ہی رہتا ہے اور جو اکثر شفقت صاحب کی سواری میں رہا کرتا تھا۔ مگر حیرت ہے کہ تم اتنی جلدی اس صحیح نتیجے پر پہنچ گئے۔”

میں نے کہا۔ “بھئی ہاشم میں تم سے دست بستہ معافی چاہتا ہو کہ گو میں نے کبھی تمہارے منہ پر اس خیال سے نہیں کہا کہ مبادا تمہاری دل شکنی ہو جائے۔ اور نہ جہاں آرا سے کہا کہ کہیں یہ اپنی قسمت کو رونے نہ بیٹھ جائے۔ مگر ذاتی طور پر ہمیشہ تم کو بدھو سمجھا اور ہمیشہ اس پر حیرت کی ہے کہ آخر پولیس کے محکمے میں یہ حضرت کیا کرتے ہوں گے۔ مگر آج مجھے اپنے اس اعتقاد پر خود شرم آرہی ہے اور واقعی ندامت سے معافی چاہتا ہوں۔”

ہاشم نے اکڑ کر کہا۔ “بہرحال آئندہ احتیاط سے کام لینا۔ اس مرتبہ معاف کیا میں نے۔ حالانکہ تم کو یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ کالج کے زمانے میں بھی تم سب جس کی واحد عقل سے کام لیا کرتے تھے وہ میں ہی تھا۔ اچھا اب یہ قصہ تو چھوڑیئے اور ایک دوسری عقل کی بات بھی مجھ سے سن کر گرہ میں باندھ لیجئے کہ چونکہ شفقت کے براہ راست حریف آپ نہیں بلکہ اعجاز تھے۔ لہذا اب تک مخبری صرف اعجاز اور منشی جی کی نقل و حرکت کی ہوا کرتی تھی۔ اور اب اعجاز کے جانے کے بعد شفقت پھر ایک مرتبہ یہاں آنے کی کوشش کریں گے۔”

جج صاحب نے سگار چباتے ہوئے فرمایا۔ “خیر اب ان کی یہ دال بھی منجملہ ان کی دوسری دالوں کے گلنا ناممکن ہے۔”

ہاشم نے کہا۔ “درست فرمایا مگر وہ تو اپنی سی کوشش کرے گا۔ بہرحال میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ اب اس کے مخبر اپنی توجہ اعجاز کے بعد دوسرے افراد کی طرف بھی مبذول کریں گے۔”

میں نے کہا۔ ''مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے بلکہ میرا تو یہ بھی خیال ہے کہ صرف جمن تانگے والا ہی اس کا مخبر نہیں ہے بلکہ گھر کے اندر بھی اس کو خبریں پہنچانے والے موجود ہیں۔''

ہاشم نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ''پھر تم نے اپنی بساط سے بڑھ کر باتیں شروع کیں۔ کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ لال بجھکو تو ہو سکتے ہو مگر سراغرساں بننے کی کوشش نہ کرو۔ اور یہ بھی کوئی تمیز کی بات نہیں ہے کہ جس فن میں خود دخل نہ ہو اس میں اس فن کے ماہروں کے سامنے دخل در معقولات سے کام لیا جائے۔''

جج صاحب نے ہنس کر کہا۔ ''بھئی آج تو ہمارے مولانا کو بولنے ہی نہیں دیتے۔''

ہاشم نے کہا۔ ''اب دیکھ لیجیے نا کہ ہر شخص کا ایک علیحدہ میدان ہوتا ہے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ دینیات ان کا میدان ہے۔ چنانچہ روزہ نماز کے متعلق یہ جب کبھی بات کرتے ہیں میں نہایت عقیدت سے سنتا ہوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ اب کی جہاں آرا کی سالگرہ کے موقعہ پر میلاد شریف کراؤں گا اور ان کو وعظ فرمانے کی زحمت دوں گا۔ بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ بھی اپنے حدود میں رہیں اور اس کے قائل ہو جائیں کہ جس کا کام اسی کو ساجے ع

''ہر کسے را بہر کارے ساختند''

میں نے کہا۔ ''میں ندامت کے ساتھ اپنی دخل در معقولات کی

معذرت چاہتا ہوں۔''

ہاشم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ آثار ہیں اصلاح ہو جانے کے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ جمن تانگے والے سے اور اس کے گھر کے کسی ملازم سے ایسے تعلقات ضرور ہوں گے کہ یا تو وہ یہاں آتا ہوگا یا یہاں کا کوئی ملازم وہاں جاتا ہوگا۔''

نزہت نے کہا۔ ''جی ہاں خانساماں سے اس کی بڑی دوستی ہے یہ وہاں جاتا ہے وہ یہاں آتا ہے۔''

ہاشم نے کہا۔ ''یقیناً یہی ہوگا بہرحال اب ہم کو کرنا یہ چاہیے کہ شفقت کو خود بتا دیں کہ ہم لوگ جج صاحب کے یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔''

جہاں آرا نے کہا۔ ''یہ بات آپ لوگ نہیں بلکہ میں اس کو بتاؤں گی اور کل اسی سلسلے میں بڑا زبردست رن پڑے گا۔''

جہاں آرا نے اس سلسلے کی باقی تفصیل بتانے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ کل دیکھ لیجیے گا خود۔''

(۳۱)

جہاں آرا نے اپنے فن اداکاری کو شفقت سے پچھلی ملاقات میں جس بری طرح ناکام ثابت کیا تھا۔ آج وہ اس کی تلافی کرنا چاہتی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ آج سب ہی موجود ہوں۔ چنانچہ مقررہ وقت پر جج صاحب، چچی اور نزہت تو براہِ راست ہاشم کے گھر پہنچ گئے اور میں شفقت کو لے کر بعد میں پہنچا۔ جس وقت میں شفقت کے ہمراہ پہنچا ہوں جہاں آرا اور ہاشم برآمدے ہی میں ہم کو مل گئے اور مجھ کو دیکھتے ہی ہاشم نے کہا۔

’’بندہ نواز اگر آپ تھوڑی دیر اور نہ آتے تو میں گاڑی بھیجتا۔ کلب میں ہم دونوں کا نہایت بے چینی سے انتظار ہو رہا ہوگا۔ میرے خیال میں آج شفقت صاحب کو بھی لے چلیں۔‘‘

جہاں آرا نے فوراً کہا۔ ’’خیر شفقت صاحب پر تو آپ کرم فرمائیں۔ انکا وقت اتنا بیکار نہیں ہے کہ آپ لوگوں کی طرح کلب میں جا کر گنوائیں۔ آپ دونوں کو جانا ہے تو تشریف لے جایئے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’غالباً خود شفقت صاحب کو بھی رمی یا برج وغیرہ سے دلچسپی نہیں ہے۔‘‘

شفقت صاحب نے ایک ادائے دلبری کے ساتھ فرمایا۔ ’’جی ہاں! میں اس قسم کے کھیلوں سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ مناسب یہی ہے کہ آپ دونوں تشریف لے جائیں۔‘‘

ہاشم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ’’بہتر ہے جناب آپ تشریف رکھئے۔ ہم تو کاروباری آدمی ہیں ہم کیوں دیر کریں۔‘‘

اور ہم دونوں وہاں سے رخصت ہو کر کھانے کے کمرے میں سب سے آ ملے۔ ادھر جہاں آرا شفقت کو لے کر گول کمرے میں آ گئی۔ جہاں آرا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ’’ہاں صاحب! کل ہم لوگ آپ کی نزہت کے درِ دولت پر حاضری دے آئے ہیں۔‘‘

شفقت نے چونکتے ہوئے کہا۔ اچھا یعنی جج صاحب کے یہاں پہنچ گئیں۔ آپ پھر ___ پھر کیا ہوا؟‘‘

جہاں آرا نے کہا۔ ’’ہوتا کیا۔ وہاں جا کر سب سے ملے اور نزہت سے ملک کر میں تو اس نتیجے پر پہنچی کہ آپ جو کھیل مجھ سے کھیل رہے ہیں اس

میں میری سراسر ہار اور آپ کی سراسر جیت ہے۔‘‘

شفقت نے بڑے اضطراب سے پوچھا۔ ’’بخدا میں بالکل نہیں سمجھا کہ آپ کا مطلب کیا ہے؟ آپ ذرا تفصیل سے بتایئے تو شاید کچھ سمجھ میں آسکے کہ یہ نتیجہ آپ نے کن باتوں سے نکالا ہے۔‘‘

جہاں آرا نے بڑی کامیاب اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ’’ذرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہیئے کہ آپ کو نزہت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ نزہت کو آپ سے ہے۔‘‘

شفقت نے بڑی متانت سے کہا۔ دیکھو بھئی جہاں آرا جہاں تک میرا تعلق ہے میں قسم کھا کر اور قسم بھی تمہاری کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ چھوٹے گاؤں سے کیا ناطہ؟ اس میں شک نہیں کہ نزہت سے جذباتی طور پر میں وابستہ ضرور تھا مگر اب میرے دل کے کسی گوشے میں اس کا خیال تک نہیں ہے۔ لیکن نزہت کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر اس کو اب تک میرا خیال ہے تو میں اس کے اس خیالِ خام کا ذمہ دار نہیں۔‘‘

جہاں آرا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ’’بجا ارشاد ہوا بقول شخصے ؎

یہ کہہ چکے ہیں کہ مطلب نہیں ہے کچھ مجھ سے
مگر وفا میں میری آزمائے جاتے ہیں

اگر جناب کے دل کے کسی گوشے میں اس کا خیال تک نہیں ہے تو اب تک اس گھر کے حالات معلوم کرنے کے لئے آپ نے وہاں جاسوس کیوں چھوڑ رکھے ہیں جو ذرا ذرا سی بات آکر آپ کو بتاتے ہیں۔‘‘

شفقت نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ’’وہ اس کی وجہ نزہت سے میری دلچسپی نہیں ہے بلکہ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ نزہت کے والد یعنی جج صاحب میرے چچا بھی ہیں اور ایسے چچا جو میری تمام جائداد اور میرے تمام روپے پر غاصبانہ قبضہ کئے بیٹھے ہیں۔ میں دولت آسانی سے ان کو ہضم نہ کرنے دوں گا۔ بہرحال یہ تو ایک علیحدہ بڑا تفصیل طلب مسئلہ ہے مگر بخدا نزہت سے مجھ کو کوئی دل چسپی نہیں بلکہ اب تو میں اپنی اس دلچسپی پر ہنستا ہوں جو مجھ کو اس سے تھی۔ اچھا آپ ہی بتایئے کہ نزہت میں آخر میرے ایسے آدمی کے لئے کیا کشش ہو سکتی ہے۔‘‘

جہاں آرا نے کہا۔ ’’کیوں آخر برائی کیا ہے اس میں؟ میں تو اس کو نہایت خطرناک قسم کی حسین لڑکی سمجھتی ہوں۔‘‘

شفقت نے ذرا مسکرا کر کہا۔ ’’یہ بات ذرا آئینہ دیکھ کر فرمایئے۔ بخدا نزہت اگر ہزار مرتبہ پیدا ہو۔ اور ہر مرتبہ اپنے حسن میں اضافے کے ساتھ پیدا ہو تو بھی وہ اس حسن کے سامنے ماند ہی نظر آئے گی۔‘‘

جہاں آرا نے ذرا شرمانے کے انداز سے کہا۔ ’’خیر آپ مجھ کو بنانے کو تو رہنے دیجئے۔ آپ کا اور آپ کی نظر انتخاب کا کیا اعتبار۔ ممکن ہے کہ کل پھر آپ کو اپنی اس دلچسپی پر اسی طرح ہنسنا پڑے جس طرح اپنی پچھلی دلچسپی پر آج کل آپ کو ہنسی آتی ہے۔ آپ تو اس قوم کے فرد معلوم ہوتے ہیں جس کا قومی ترانہ یہ ہے کہ ؏

’’تم نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی‘‘

شفقت نے کہا۔ “وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہیں ہے مگر میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھ کو ہاشم کی قسمت پر رشک ہے۔”

جہاں آرا نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ “ہائے خدا کے لئے اس بدقسمت کی قسمت پر رشک نہ کیجئے۔ جس کی بیوی اس سے اتنی متنفر ہے کہ آج آپ کے ایسے ہرجائی کو اس کے مقابلے میں بسا غنیمت سمجھتی ہے۔”

شفقت نے ذرا سا آگے جھک کر کہا۔ “پھر تم نے ہرجائی کہا مجھ کو۔”

جہاں آرا نے کہا۔ “اچھا یہ بتایئے کہ سچ مچ آپ نے جج صاحب کے یہاں اپنے جاسوس کیوں چھوڑ رکھے ہیں؟ یہ تو خیر میں نہیں کہہ سکتی کہ صرف اپنی جائداد اور روپیہ کے لئے یہ سب کچھ آپ نے کیا ہے۔ جائداد اور روپے کے لئے اس جاسوسی کی کیا ضرورت تھی؟”

شفقت نے کہا۔ “مگر سوال تو یہ ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟”

جہاں آرا نے ترپ چال چلی۔ مجھ سے خود نزہت نے کہا کہ جمن تانگے والا اور جج صاحب کا خانساماں وہاں آپ کے جاسوس ہیں اور یہی دونوں آپ کی ایک ایک خبر جج صاحب کو پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ جج صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ مولانا کے ساتھ میرے یہاں آتے ہیں اور اسی وجہ سے آجکل جج صاحب مولانا سے کچھ بھڑکے ہوئے ہیں۔”

شفقت نے حیرت سے کہا۔ “کمال ہے صاحب اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ دونوں بدمعاش دونوں طرف سے اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہیں۔ جمن تانگے والا تو خیر میرا براہ راست جاسوس نہیں ہے۔ مگر یہ خانساماں تو برابر مجھ سے رقمیں اینٹھ رہا ہے۔ ابھی کل ہی پچیس روپے لے گیا۔ مگر بخدا اس کا کوئی تعلق اس سے نہیں ہے کہ مجھ کو نزہت سے کوئی دلچسپی ہے۔”

جہاں آرا نے کہا۔ “خیر کچھ بھی ہو۔ مگر اب میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے پوری طرح اطمینان کر لوں گی۔ ایسا نہ ہو کہ ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

ہم لوگ اندر بیٹھے بیٹھے گھبرا چکے تھے۔ لہٰذا میں نے ہاشم کو اشارہ کیا اور ہم دونوں کھانے کے کمرے سے نکل کر باہر سے گول کمرے میں آ گئے۔ میں نے آتے ہی کہا۔

“بھئی شفقت صاحب ہم دونوں تو اس وقت ایک کھانے پر پھنس گئے ہیں لہٰذا آپ ہاشم کی گاڑی پر تشریف لے جائیں تاکہ ڈرائیور آپ کو پہنچانے کے بعد ہم لوگوں کو لے جائے۔”

اور اس طرح شفقت کو رخصت کرنے کے بعد جب سب یکجا ہوئے تو جج صاحب نے گول کمرے میں آتے ہی کہا۔

“فل مارکس۔ آج تو تم نے بہت کچھ اس سے اُگلوا لیا۔ معلوم ہوا کہ صرف پولیس آفیسر ہی نہیں بلکہ اس کی بیوی بھی تفتیش کی ماہر ہوتی ہے۔”

آج کی کامیابی پر سب ہی نے جہاں آرا کو مبارکباد دی۔ حد یہ ہے کہ ہاشم بھی آج اس کی قابلیت کے قائل ہو گئے۔”

(۳۲)

آج کالج بند تھا۔ لہٰذا میں باقاعدہ تعطیل منا رہا تھا۔ میرا باقاعدہ تعطیل منانے کا طریقہ یہ ہے کہ ناشتہ بھی بستر پر ہو اور شیو نہ کیا جائے۔ چنانچہ بستر پر پڑا اخبار پڑھ رہا تھا کہ ایک دم دھڑ سے دروازہ کھلا اور ہاشم اپنی وردی میں اس طرح کمرے میں آ گئے۔ جیسے واقعی وارنٹ لے کر آئے ہوں میں ابھی اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"عجیب نجس قسم کے آدمی ہو۔ یعنی اب تک جناب بستر پر ہی ہیں۔ میں اسی لئے تعطیل کا مخالف ہوں کہ انسان افیون گھولنے لگتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اور یہ جناب اس خوفناک وردی میں سویرے

سویرے کہاں؟

ہاشم نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ "لعنت ہے آپ پر بھائی صاحب! اس کو آپ سویرا کہہ رہے ہیں۔ دس بج چکے ہیں۔ میں پریڈ میں گیا ہوا تھا۔ واپسی میں خیال آیا کہ ذرا آپ کو دیکھتا چلوں۔ خدا کے لئے اب اٹھو بستر سے۔"

اور یہ صرف زبانی ہی نہیں کہا۔ بلکہ مجھ کو بستر سے گھسیٹ کر کھڑا کر دیا۔ میں نے پوچھا۔

"آخر ارادہ کیا ہے؟ کیا کوئی خاص پروگرام بنا بیٹھے ہو؟"

ہاشم نے کہا۔ "نہیں خیر کوئی خاص پروگرام تو نہیں۔ مگر اب اس شفقت والے قصے نے تو کافی بور کر دیا ہے۔ میں نے طے کیا ہے کہ آج میں اس ڈرامے کو ذرا کلائمکس تک لے جاؤں۔"

میں نے اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کیا مطلب؟ جناب کا اس ڈرامے سے کیا تعلق۔ اس ڈرامے کی مصنفہ یا ہدایت کار یا کردار جو کچھ بھی ہیں جہاں آرا ہیں جناب سے کیا واسطہ؟"

ہاشم نے اپنا خوفناک سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے جہاں آرا سے مشورہ کر لیا ہے اور طے یہی پایا ہے کہ آج میں کھلم کھلا شفقت کے سامنے آ جاؤں۔"

میں نے کہا۔ "اگر جہاں آرا کی یہی رائے ہے تو ٹھیک ہے۔ مگر آخر اتنی جلدی کیا ضرورت تھی؟"

ہاشم نے کہا۔ "جلدی کی ضرورت یہ تھی کہ ہر کھیل کا ایک اختتام بھی

ہوتا ہے۔ خود جج صاحب کی رائے اب یہ ہے کہ کھیل ختم کیا جائے۔"

میں نے کہا۔ "جج صاحب کی یہ رائے جناب کو کیسے معلوم ہوئی؟"

ہاشم نے کہا۔ "حضور والا اس سگار کو دیکھ کر بھی آپ نہیں سمجھے کہ میں ان ہی کے پاس بیٹھ کر آ رہا ہوں۔ وہ اس وقت آپ کا کمرہ ٹھیک کرانے میں مصروف ہیں۔ استاد بڑے ٹاٹھ کا فرنیچر لگ رہا ہے تمہارے کمرے میں۔"

میں نے حیرت سے کہا۔ "میرے کمرے میں؟ میرا کمرہ تو یہی ہے جہاں آپ اس وقت رونق افروز ہیں۔"

"ہاشم نے کہا۔ "جی نہیں آپ کے لئے وہ کمرہ درست ہو رہا ہے جو جج صاحب کے کمرے کے برابر ہے اور اب تک مہمان خانہ بنا ہوا تھا۔ ذرا جا کر تو دیکھو ایسے قیمتی پردے لگا دیئے گئے ہیں کہ یہ منہ اور مسور کی دال کی کہاوت صادق آ رہی ہے۔"

عین اسی وقت جج صاحب نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "مولانا ذرا تشریف لے چلئے اور اپنا کمرہ ملاحظہ فرما لیجئے مگر آپ تو ابھی تک محو خواب نظر آتے ہیں۔"

میں نے شرمندگی سے کہا۔ "جی ہاں ذرا چھٹی منا رہا تھا۔ بہر حال آپ دونوں تشریف لے چلیں۔ میں ابھی حاضر ہوا۔ دس منٹ میں۔"

جج صاحب اور ہاشم کے جانے کے بعد میں نے واقعی پھرتی سے کام لے کر اپنے کو دس منٹ تو نہیں مگر پندرہ بیس منٹ میں تیار کر لیا اور اب جو جا کر وہ کمرہ دیکھا کہ واقعی یہ تو اپنی اوقات سے کچھ بہت ہی زیادہ ہے تو دیکھ کر

دیکھتے ہی رہ گئے۔ جج صاحب نے کہا۔ "کیوں مولانا پسند آیا یہ نیا کمرہ؟ اور وہ دیکھئے آپ کی نماز پڑھنے کی چوکی بھی موجود ہے۔"

میں نے کہا۔ "صاحب یہ تو ایسا کمرہ ہے کہ شاید خود آپ کا کمرہ بھی ایسا نہیں۔"

جج صاحب نے فرمایا۔ "بہر حال اگر آپ کو اس کی ترتیب پر کوئی اعتراض ہو تو یہ اعتراض براہ راست بے بی سے کیجئے گا۔ اس لئے کہ اس کمرے کے سامان کا ذمہ دار میں ہوں آرائش اور ترتیب میں بے بی کا ہاتھ ہے۔"

نزہت نے جواب تک مغل پیس کو سجانے میں مصروف تھیں، بڑے تحکم سے فرمایا۔ "اس کی ترتیب میں اب کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ یہ ایک مستقل فن ہے اور اس گھر میں اس فن کو مجھ سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا۔"

میں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور نزہت اپنی مرضی سے جس طرح کمرے کو آراستہ کیا تھا۔ اس میں واقعی کوئی خامی نظر بھی نہیں آتی تھی۔ جج صاحب نے ملازموں کو ہدایت کر دی کہ میرا تمام سامان احتیاط سے اٹھا لائیں اور جس طرح نزہت ہدایت کریں اسی ترتیب سے اس کمرے میں رکھ دیں۔ مختصر یہ کہ ہاشم کے جانے کے بعد بھی آج دن بھر یہ انتقال مکانی ہوتا رہا اور سہ پہر کو جب اس جھگڑے سے چھٹی ملی تو جج صاحب نے جلدی شروع کر دی کہ ہاشم کے یہاں پہنچنے میں دیر ہو رہی ہے۔ چنانچہ پہلے تو میں نے جج صاحب، چچی اور نزہت کو ہاشم کے یہاں پہنچایا۔ پھر شفقت کو

لینے کالج پہنچ گیا جہاں شفقت مقررہ وقت پر بجے بے تشریف لے آئے اور میں ان کو لے کر ہاشم کے یہاں جو پہنچا۔ وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ ہاشم بپھرے ہوئے شیر کی طرح اپنی وردی پہنے ٹہل رہا تھا اور جہاں آرا ایک زخمی خوردہ شیرنی کی طرح بیٹھی تملا رہی تھی۔ ہم دونوں کو دیکھتے ہی ہاشم نے گرج کر کہا۔

"میں آج ہی فیصلہ کر کے رہوں گا کہ تم کو میرا ساتھ دینا ہے یا اس شخص کا۔"

اور یہ کہہ کر جو انگلی شفقت کی طرف اٹھائی ہے تو شفقت نے میری آڑ میں آتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں ہم لوگوں کو واپس چلنا چاہیے۔"

جہاں آرا نے مکمل اداکاری کے ساتھ کہا۔ "یہ فیصلہ تو میں خود چاہتی ہوں۔"

ہاشم نے اور بھی کڑک کر کہا۔ "مگر یہ فیصلہ اس آسانی کے ساتھ نہ ہوگا۔ اس کا فیصلہ یہ ریوالور کرے گا جس کو اسی کار خیر کے لئے میں نے بھر رکھا ہے۔"

میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ کیا واہیات ہے ہاشم ٹھنڈے دل سے بات کرو اور کچھ بتاؤ تو سہی کہ واقعہ کیا ہے؟"

ہاشم نے کہا۔ "مولانا آپ کو نہیں معلوم کہ اس گھر میں کیا ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے یہ لوفر جو اس وقت آپ کے ساتھ آیا ہے۔ میرا گھر تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مجھ کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے اور آج میری غیرت مجھ سے دوٹوک فیصلہ کرانا چاہتی ہے اس شخص کو شرم نہیں آتی کہ یہ ایک شادی شدہ عورت کو مسلسل بہکا رہا ہے۔ اب بولتا کیوں نہیں چپ کیوں کھڑا ہے؟"

شفقت نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا۔ "میں صرف یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نہیں بہکا رہا ہوں بلکہ مجھ کو بہکایا جا رہا ہے اور میں تو ان کو اپنی بہن ہی سمجھتا ہوں۔"

جہاں آرا نے مٹھیاں بھینچ کر اپنی پوری آواز کے ساتھ کہا۔ "بزدل، کمینہ! ذرا سی دھمکی میں سارے قول و قرار ختم ہو گئے۔ چلا تھا محبت کرنے ع

عشق بزد پیشہ طلب گارِ مرد تھا

شفقت نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ "محترمہ یعنی میرا مطلب یہ کہ۔"

ہاشم نے پھر گرج کر کہا۔ "مولانا اس مردہ کو میرے سامنے سے ہٹا دیجئے۔ ورنہ ریوالور کی تمام گولیاں اس کے سینے میں پیوست کر دوں گا۔ اور اب مجھ کو دیکھنا ہے کہ یہ شخص کیونکر اس شہر میں رہتا ہے۔ جیل میں نہ سڑوا دوں تو نام بدل دیجئے گا میرا۔ دور ہو جا میرے سامنے۔"

میں نے شفقت کو بھاگ جانے کا اشارہ کیا اور واقعی ایسا دم دبا کر بھاگا کہ ہنسی ضبط کرنا مشکل ہوگئی۔ اس کے جانے کے بعد سب ہنسی سے لوٹتے ہوئے باہر آگئے حد یہ ہے کہ چچی کو اس شدت سے ہنسی آ رہی تھی کہ جیسے کوئی عظیم الشان عمارت زلزلے میں مبتلا ہو۔ اس سین پر سوائے ہنسنے کے ہم میں سے کوئی تبصرہ کرنے کے قابل نہ تھا۔"

(۳۳)

ابھی میں کالج جانے کے لئے کمرے سے نکلا ہی تھا کہ جج صاحب نے مجھ کو آواز دے کر روکا۔ اور وہ ایک لفافہ لئے ہوئے میری طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ ”لیجئے صاحب آپ کے ممدوح مکرم شفقت صاحب کا گرامی نامہ موصول ہو گیا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے اس کو۔“

میں نے خط لے کر پڑھنا شروع کیا۔

عم محترم و معظم! اس سے قبل کہ آپ مجھ ناخلف کا یہ عریضہ دیکھ کر غصے سے چاک کر دیں۔ میں آپ کو آپ کی شفقت کا واسطہ دے کر صرف یہ التجا کرتا ہوں کہ اسے پڑھ ضرور لیجئے۔ اپنے تمام اعمال کی سزا میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں آپ کی شفقت سے محروم ہوں اور اب مجھ کو محسوس ہو رہا ہے کہ میں تھا ہی اسی قابل بلکہ جتنی ذلتیں بھی مجھ کو حاصل ہوں وہ کم ہیں۔ بس یہ عریضہ صرف اس لئے لکھ رہا ہوں کہ بعض وجوہ کی بنا پر میرے لئے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ میں اس شہر میں رہ سکوں۔ لہٰذا قبل اس کے کہ میری خانہ بدوشی شروع ہو۔ میں صرف اتنی اجازت چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ آپ کے قدموں پر گر کر ندامت کے دو آنسو بہا دوں۔ آپ کی فیاضی سے امید ہے کہ مجھ کو یہ موقع ضرور دیں گے۔“

آپ کا محروم شفقت

شفقت

میں نے خط پڑھ کر جج صاحب کی طرف دیکھا تو وہ بولے۔ ”یہ کل جو کچھ ہوا ہے اسی کا تاثر ہے اور اس کو اب یقین ہو گیا ہے کہ ہاشم اس کو اس شہر میں رہنے نہ دے گا۔“

میں نے کہا۔ ”جو کچھ بھی ہو۔ مگر میری رائے یہ ہے کہ آج آپ شفقت صاحب کو بلا ضرور لیں۔“

جج صاحب نے کہا۔ ”میری بھی یہی رائے تھی بلکہ میں اس موقع پر ہاشم اور جہاں آرا کو بھی بلانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ پروگرام میں بہت ہی دلچسپ بنانا چاہتا ہوں۔ بہرحال تم شفقت کو بھی اطلاع کر دینا اور ہاشم اور جہاں آرا کو بھی پھر دیکھو۔ آج شام کو کیسی رونق ہوتی ہے۔“

میں نے جج صاحب سے رخصت ہو کر کالج پہنچا اور اور اتی کلاس لینے کے بعد جب اسٹاف روم میں واپس آیا تو چپراسی نے مجھے ایک نمبر دیا کہ اس نمبر پر بات کر لیجیے۔ یہ نمبر میرے لئے نیا نہ تھا۔ اسی نمبر سے شفقت اکثر فون کیا کرتے تھے۔ لہٰذا میں نے یہ نمبر ملا کر شفقت صاحب سے بات کر لی اور ان سے کہہ دیا کہ فون پر تفصیلی بات نہیں ہو سکتی۔ آپ خود ہی آ کر مل لیجیے اس کے بعد ہاشم اور جہاں آرا کو جج صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ مگر ان سے معلوم ہوا کہ جج صاحب براہ راست بھی ان کو مطلع کر چکے ہیں۔ جج صاحب یہ تو خیر صبح ہی کہہ چکے تھے کہ وہ آج کے اجتماع کو بہت ہی بارونق بنانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ اس سلسلے میں اتنے بے تاب بھی ہیں کہ مجھ سے کہہ چکنے کے باوجود ہاشم اور جہاں آرا کو خود بھی اطلاع کرا دی۔ بہرحال میں ابھی ان ٹسٹوں کے بعد امتحان کی دو تین ہی کاپیاں دیکھنے پایا تھا کہ شفقت صاحب پریدہ رنگ اور پریشان حال آ موجود ہوئے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے وہی بات کہیں جو مجھ کو معلوم تھی۔ میں نے ان سے کہا۔

”بھئی کل کا قصہ تو ایسا اچانک ہو گیا کہ سمجھو رہ گیا۔ بہرحال آج آپ نے جج صاحب کو جو خط لکھا ہے وہ یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوگا۔ جج صاحب نے آج آپ کو بلایا ہے بلکہ مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو اپنے ساتھ لے چلوں۔“

شفقت نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”یہی میں بھی چاہتا تھا مولانا کہ اس موقع پر آپ میری دستگیری فرمائیں اور جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ میری طرف سے آپ کہہ دیں۔ میں ان کے سامنے کچھ کہہ سکوں گا۔“

میں نے کہا۔ ”آپ اطمینان رکھئے میں آپ کی پوری وکالت کروں گا۔“

شفقت نے کہا۔ ”جج صاحب ہی اگر چاہیں گے تو ہاشم کے انتقام سے مجھ کو بچا سکیں گے ورنہ یہ پولیس والے تو سب ہی کچھ کر سکتے ہیں۔“

میں نے شفقت کو ہر طرح سے اطمینان دلا دیا تھا۔ مگر اس کے باوجود جب وہ میرے ساتھ چلنے لگا تو اس کی حیثیت بقر عید کے بکرے کی سی تھی۔ جس کو قصائی نے طلب کیا ہو۔ میں نے دیکھا کہ وہ راستے بھر کچھ بڑبڑاتا بھی رہا۔ غالباً کچھ وظائف پڑھ رہا ہوگا۔ بہرحال جس وقت ہم لوگ جج صاحب کی کوٹھی پر پہنچے ہیں تو یہاں نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ بڑے قرینے سے لان پر صوفے تک لگے ہوئے تھے اور علاوہ دوسرے تکلفات کے کچھ ہار پھول بھی نظر آ رہے تھے مجھ کو یہ اہتمام دیکھ کر بڑی ہنسی آئی کہ بچھڑے ہوئے بھتیجے سے ملنے کے لئے جج صاحب نے یہ اہتمام کئے ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر جج صاحب نے نعرہ بلند کیا۔“

”آئیے مولانا آئیے محترم! بھئی مولانا غلط ہے میں چاہتا ہوں کہ آج سے تم کو شباب ہی کہا کروں۔ مگر تربیت کی ناراضگی سے ڈرتا ہوں اس لئے

کہ یہ نام اسی کا رکھا ہوا ہے۔"

میں نے شفقت کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں ان کو لے آیا ہوں اور اس ذمہ داری پر لایا ہوں کہ آپ سے ان کو معاف کرادونگا۔"

قبل اس کے جج صاحب کچھ کہتے شفقت نے واقعی اپنے کو ان کے قدموں پر گرادیا اور جج صاحب "ہائیں ہائیں" کہتے ہی رہ گئے اسی وقت چچی اور نزہت بھی باہر آ گئیں۔ آج تو نزہت نے بھی کمال ہی کر دیا تھا کہ بال بال موتی پروئے ہوئے تھیں اور خلاف عادت کچھ شرمانے کی بھی کوشش کر رہی تھیں۔ بہرحال ان سب نے بھی شفقت اور جج صاحب کی یہ کشاکش دیکھ لی۔ جج صاحب نے بیرے کو نہ جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ میرے کمرے کی طرف دوڑا اور فوراً ہی ہاشم اور جہاں آرا میرے کمرے سے نکل کر آ گئے۔ جج صاحب نے ہاشم کو اشارے سے بلا کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود وہاں سے کھسک گئے۔ اب منظر یہ تھا کہ شفقت ہاشم کے قدموں پر پڑے ہوئے گڑگڑا رہے تھے اور ہاشم صاحب اکڑے ہوئے کھڑے تھے۔ آخر انہوں نے شفقت کو اٹھا کر کہا۔

"خیر آئندہ اس کا خیال رکھئے گا کہ عشق کے ساتھ شرافت کا ہونا بھی ضروری ہے اور اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ جو میری بیوی ہیں ان کی اصلیت صرف یہ ہے کہ یہ میری بیوی ہیں۔ باقی جو کچھ ہے وہ اداکاری۔"

ہاشم کو دیکھ کر شفقت کے دیوتایوں ہی کوچ کر گئے تھے۔ اس جہاں

آرا کے قہقہے اسے اور بھی ختم کئے دیتے تھے۔ جج صاحب نے بڑے اطمینان سے فرمایا: "رہ گئی میری ناراضگی تو میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ایسے بے وقوفوں سے ناراض ہونا بھی نہیں چاہتا جو حماقت کی اس بلندی پر جلوہ افروز ہوں جس پر جناب نظر آتے ہیں۔ بخدا مجھے تو شبہ بھی نہ تھا کہ خود میرے خاندان میں اس دور کا عظیم المرتبت احمق موجود ہے جس کو یہ آج کل کی لڑکیاں بدھو بنا کر چھوڑ دیں۔"

جہاں آرا نے احتجاج کیا۔ "انکل آپ نے پھر میرے آرٹ کی توہین کی۔"

ہاشم نے کہا۔ "مگر انکل شفقت صاحب سے ملنے کی خوشی میں آپ نے آج اہتمام تو بہت کئے ہیں۔"

جج صاحب نے کہا۔ "جی نہیں۔ یہ اہتمام اس ملاپ کے نہیں ہیں بلکہ ابھی میں آپ کو ایک کرتب اور دکھاتا ہوں۔"

اور یہ کہہ کر اپنی جیب سے ایک ڈبیا نکال کر مجھ کو دیتے ہوئے کہا۔

"بھئی مولانا! یہ انگوٹھی اپنے ہاتھ سے نزہت کو پہنا دو اور نزہت ڈارلنگ یہ دوسری انگوٹھی تم ان کو پہنا دو مولانا ___ پھر وہی مولانا۔ میرا مطلب ہے شہاب کو۔"

ہاشم اور جہاں آرا نے مارے خوشی کے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ بچوں کی طرح، اور میں بھی دنگ رہ گیا مگر جج صاحب نے مجھ کو خود آگے بڑھا

دیا تو میں نے انگوٹھی نزہت کو پہنا دی۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ دوسری انگوٹھی مجھ کو پہنائے اب جو بھاگی ہے وہاں سے تو سب اس کی اس غیر متوقع شرم پر ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ آخر جج صاحب نے مجھ ہی سے کہا کہ ”تم خود چلے جاؤ۔ وہ پہنا دے گی انگوٹھی“ چنانچہ میں نے جا کر جو دیکھا تو مجھ کو مولانا کہنے والی خود مولانا بنی کھڑی نماز پڑھ رہی تھی۔ اس نے سلام پھیرا۔ تو میں نے کہا۔ ”اخاہ مولانا___“ اور اس نے ہنس کر انگوٹھی مجھ کو پہنا دی۔“